ام الشہداء وسیدۃ النساء
خاتون جنت
حضرت فاطمہ بنت محمدؐ
الزہرآء سلام اللہ علیہا
حضرت علامہ راشد الخیری
عمر ابوالنصر، ترجمہ۔ شیخ محمد احمد پانی پتی

یہ وہ دعائے مبارکہ ہے جو سیدۃ النساء عالمین
کے وردِ زبان رہتی تھی۔

دعاء النور

بِسْمِ اللهِ النُّوْرِ ○ بِسْمِ اللهِ نُوْرِ
النُّوْرِ ○ بِسْمِ اللهِ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ○
بِسْمِ اللهِ هُوَ مُدَبِّرُ الْاُمُوْرِ ○ بِسْمِ
اللهِ الَّذِیْ خَلَقَ النُّوْرَ ○ وَاَنْزَلَ النُّوْرَ
عَلَی الطُّوْرِ ○ فِیْ کِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ ○
عَلَی النَّبِیِّ الْمَحْبُوْرِ ○ بِسْمِ اللهِ الَّذِیْ
هُوَ بِالْعِزِّ مَذْکُوْرٌ ○ وَبِالْفَخْرِ مَشْهُوْرٌ ○
وَعَلَی السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ مَشْکُوْرٌ ○ وَصَلَّی
اللهُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الطَّاهِرِیْنَ ○

حضرت علامہ راشد الخیری عمر ابو النصر، ترجمہ۔ شیخ محمد احمد پانی پتی

الحجاز پبلی کیشنز

27۔ الف گلشن راوی لاہور 7460260

ناشر ....☆☆☆......... سرفراز احمد

اہتمام ....☆☆☆......... شکیل احمد

مطبع ....☆☆☆......... گنج شکر پرنٹرز لاہور

قیمت ....☆☆☆......... ۱۵۰ روپے

ISBN: 978-969-8208-91-2

فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ٥

سلام ہے ان پاک روحوں پر جو خاک عرب سے اٹھیں اور علم وفضل کے ایسے دریا بہائے کہ نہ صرف خطہ مخصوص بلکہ ایک دنیا ان سے سیراب ہوئی۔

ادب کی ان صحبتوں اور علوم کی ان مجلسوں میں ہم بنت الرسول۔ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کو بھی ممتاز جگہ پر جلوہ افروز دیکھتے ہیں۔ سونے پر سہاگہ ان کی خانگی زندگی ہے۔ ایثار کے متبرک گلدستے ہاتھوں میں صبر وشکر کے خوشنما ہار گلے میں اور انسانیت کا چمکتا ہوا تاج سر پر مسلمان کچھ آج کل ہی کے نہیں۔ تیسری صدی کے بعد سے حسن عقیدت کے ایسے چکر میں پڑے کہ ائمہ کا درجہ خلفا سے، خلفا کا پیغمبر سے اور پیغمبر کا خدا سے بڑھا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اصلی معاملات اور شاندار روایات جن سے یہ پاک زندگیاں لبریز تھیں ختم ہو گئیں اور ان کے بدلے وہ جھوٹی روایات، خرافات، ہزلیات جن پر دوسرے مضحکہ اڑاتے ہیں داخل ہو گئیں اور آج ان کے کارنامے محض ان فقیروں کے ذرائع معاش رہ گئے جو اندھیرے منہ گلیوں میں چیختے پھرتے ہیں۔

فریقین (سنی وشیعہ) کے اختلافات نے اور بھی غضب ڈھایا کہ مسئلہ متنازعہ فیہ کے ساتھ تمام محاسن پر پانی پھر گیا اور وہ شان دار زندگی جو سیدہ نے بسر کی اس وقت اندھیرے گھپ میں پڑی ہوئی ہے۔ "بی بی کی نیاز"، "بی بی کی صحنک"، "بی بی کی پڑیاں"، "بی بی کا کونڈا"، "معجزہ آل نبی"، "حلہ عید" سے اور ہر چیز سے یہی نظر آتا ہے کہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی تمام عمر مصیبت اور افلاس میں بسر ہوئی۔ ہم کو بھی اس کے تسلیم کرنے میں عذر نہیں تھا۔ مگر انقلاب کا وہ زبردست پہلو جو واقعیت کے رنگ میں صاف جھلک رہا ہے بالکل غارت ہوا جاتا ہے اور بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی اس خوبی کو جو تمول وافلاس کے تغیر میں ظاہر ہوئی قطعی چھپالے گا۔ اس لیے یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ سیدہ کے شجرۂ نسب

کے ساتھ ان کی محترم ماں بی بی خدیجہ ؓ کی مالی حالت کا بھی ذکر کریں جس سے معلوم ہوگا کہ وہ سدا کی غریب اور مفلس نہ تھیں بلکہ ماں کی زندگی تک ان کی پرورش اس طرح ہوئی جس طرح اوسط درجہ کی خاندانی لڑکی کی ہوسکتی ہے۔

بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کا شجرۂ نسب

باپ کے اجداد

عدنان، کنانہ، معد، نضر، نذار، مالک، مضر، فہر، الیاس، غالب، لوئی، کعب، کلاب، قصیٰ، عبد مناف، ہاشم، عبدالمطلب، عبداللہ، محمد رسول اللہ، فاطمہ ؓ۔

ماں کی مائیں اور اجداد

روامہ، عبدالعزیٰ، حرام، اسد، زائدہ، خویلد، فاطمہ، خدیجہ ؓ، خدیجہ، فاطمہ ؓ، فاطمہ، عامر، معرض، عبد۔

اس شجرہ نسب سے معلوم ہوتا ہے کہ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کے نانا خویلد قریش کے معزز اور متمول قبیلہ میں سے تھے اور اس طرح رسول اللہ ؐ کا شجرہ بی بی خدیجہ ؓ کی چوتھی پشت میں جا کر قصیٰ سے مل جاتا ہے اور دسویں پشت میں لوئی سے۔ غرض بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کا نجیب الطرفین اور خوشحال خاندان کی بیٹی ہونا ثابت ہوگیا۔

بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی خاندانی حالت

اور

بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دوسری اُمہات المومنینؓ پر فضیلت

بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ولادت ۵۵۵ عیسوی اور ۵۷ کسروی کی ہے

اس وقت کی عام حالت جو "زمانہ جہالت" کہلاتا ہے مخفی نہیں۔ مگر بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا جن کی گود میں سیدہ نے پرورش پائی اس وقت یعنی اس تاریکی کے زمانہ میں بھی طاہرہ کے نام سے پکاری جاتی تھیں اور قریش کا گراں بہا تمغہ "سیدۃ النساء" جو کسی دوسری عورت کو ان سے پہلے نصیب نہ ہوا عطا ہو چکا تھا۔ ان کے والد یعنی سیدہ کے نانا خویلد جن کے خیالات کا اثر بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے رگ و پے میں دوڑ رہا تھا اور جو فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی زندگی میں پوری طرح ظاہر ہوا۔ اپنے وقت میں اپنے تمول اور ایثار کی وجہ سے شہرۂ آفاق تھے۔ ان کا کاروبار یمن میں بہت زور سے پھیلا ہوا تھا۔ مگر بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر نباش اور دوسرے عتیق جب ان کو بیوہ چھوڑ گئے تو ان کے والد خویلد اپنے بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے تجارت کے کاروبار کی نگرانی کے قابل نہ تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنا سب کام بیٹی کے سپرد کر دیا۔ اور خود گوشہ نشین ہو گئے۔ بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اس کام کو اس قدر توجہ اور ایمانداری سے چلایا کہ باپ سے زیادہ منافع حاصل ہوا۔ اور چند ہی روز میں وہ بہت بڑی دولت کی مالک بن گئیں۔ گو اس وقت تجارت کی منڈیاں بہت سی تھیں مگر شام مرکز تھا اور اگرچہ بہت سے تاجر اور غلام ایسے موجود تھے جو بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال واسباب کے اونٹ خود لے جاتے تھے اور دیانت داری سے کام کرتے تھے۔ پھر بھی بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو اتنا ایماندار اور متقی پرہیزگار ہوتا کہ ان کے خود نہ جاسکنے

کی کمی کو پورا کر دیتا۔

ادھر قحط کی مصیبت سے گھبرا کر ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ سے کہا۔ ''تم خدیجہ ؓ سے ملازمت کی درخواست کرو۔'' وہ اپنے دوسرے شوہر عتیق کے بعد دنیا سے کچھ ایسی بے زار ہو گئی تھیں کہ اکثر خانہ کعبہ میں جا کر عبادت میں مصروف رہتیں۔ اس زمانہ کی کاہنہ عورتوں نے ان سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ''ایک پیغمبر پیدا ہونے والا ہے اور وہ تمہاری قوم میں سے ہوگا۔'' یہ سنتے ہی بی بی خدیجہ ؓ کا ذہن اِدھر منتقل ہو چکا تھا۔ چنانچہ جس وقت رسول اللہ ﷺ نے ملازمت کی خواہش کی تو انہوں نے خوشی سے منظور کر لیا اور اپنے غلام میسرہ سے کہہ دیا کہ جو کچھ یہ کہیں اور کریں کسی معاملہ میں دخل نہ دینا۔ اس سفر اور اس تعلق میں میسرہ نے جو دیکھا اور رسول اللہ ﷺ کی دیانتداری کا جو سکہ بی بی خدیجہ ؓ کے دل پر بیٹھا وہ نکاح کی صورت میں ظاہر ہوا۔ بی بی خدیجہ ؓ رسول اللہ ﷺ کی سب سے پہلی بیوی تھیں اور اسی لیے تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ یہ ایک ایسا ممتاز اور مخصوص شرف ہے جس کی وجہ سے ان کو تمام ازواج مطہرات ؓ پر فضیلت ہے اور حق یہ ہے کہ وہ اس فضیلت کی مستحق تھیں۔ انہوں نے تن من دھن سب رسول اللہ ﷺ کی کامیابی میں صرف کر دیا۔ جب ارہاصات کا وقت آیا ہے اس وقت رسول اللہ ﷺ نہایت پریشان اور خائف تھے۔ کہیں پتھر سلام کر رہے ہیں۔ کہیں درخت بول رہے ہیں۔ اس موقعہ پر بی بی خدیجہ ؓ نے ایسے دلسوز پیرایہ میں تسلی دی کہ وہ پریشانی اور خوف سب رفع ہو گیا۔ اس فضیلت کی تائید ام المومنین بی بی عائشہ ؓ کی اس حدیث سے ہو رہی ہے جس کو امام بخاری نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ

''رسالت مآبؐ جب بی بی خدیجہ ؓ کے بعد گھر میں تشریف لاتے تو ان کا ذکر کر کے بہت کچھ تعریف کرتے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ نے معمول کے مطابق ان کی بہت کچھ تعریف کرنی شروع کی۔ مجھے رشک آیا۔ میں نے کہا وہ تھیں کیا۔ بوڑھی، بیوہ عورت تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے عوض ان سے بہتر بیوی عنایت کی۔''

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک مارے غصہ کے تمتما اٹھا اور فرمانے لگے۔
''اللہ تعالیٰ کی قسم ان سے اچھی بیوی مجھے نہیں ملی۔ وہ ایمان لائی تھیں جبکہ سب لوگ کافر تھے۔ انہوں نے میری تصدیق کی تھی جبکہ سب لوگ جھلاتے تھے۔ انہوں نے اپنا مال و دولت مجھ پر قربان کیا۔ جبکہ سب لوگوں نے مجھ کو محروم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بطن سے مجھے اولاد دی۔''

بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ ''میں نے اس روز سے عہد کر لیا کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کبھی ایسی بات نہ کہوں گی۔''

بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سات اولادیں ہوئیں۔ تین صاحبزادے، چار صاحبزادیاں بایں تفصیل پیدا ہوئیں۔

زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا، قاسم، طاہر عبداللہ رضی اللہ عنہم۔

یہ سب بچے زمانہ بعثت سے پہلے ہی پیدا ہو چکے تھے۔ بلکہ تینوں صاحبزادے تو نبوت سے پہلے ہی انتقال فرما گئے تھے۔ صاحبزادیوں نے البتہ نبوت کا زمانہ پایا اور سب کی سب مشرف با سلام ہوئیں۔

بی بی زینب سب سے بڑی تھیں جو نکاح کے پانچویں سال پیدا ہوئیں اور جن کی شادی ابو العاص بن الربیع سے ہوئی جو بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھانجے تھے۔ انہی کی لڑکی امامہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے انتقال کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بیاہی گئی تھیں ایک موقع پر بدر کی لڑائی میں کچھ آدمی گرفتار ہو کر آئے تو ان کی رہائی اس شرط پر قرار پائی کہ وہ فدیہ دیں۔ قیدیوں میں زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوہر ابو العاص بھی تھے۔ بی بی زینب رضی اللہ عنہا کو یہ خبر ہوئی تو انہوں نے اپنی ماں بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ہیکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور فدیہ بھیجی ہیکل کے سامنے آتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک میں آنسو آ گئے اور آپ نے فرمایا۔

''یہ اس نیک اور پاک بی بی کا زیور ہے جس نے اپنی عمر کا آخری تمام حصہ اسلام کی خدمت میں بسر کر دیا۔''

بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادیوں پر کیا فوقیت حاصل ہے

بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کے حالات میں سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا سے بڑی تین صاحبزادیاں اور موجود تھیں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے تو بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا میں ایسی کیا خصوصیت تھی جس کی وجہ سے مسلمان عام طور پر ان صاحبزادیوں کے نام تک سے واقف نہیں اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا نام مسلمانوں کے بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔

بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی زندگی میں بہت سے اہم واقعات پیش آئے ہیں اور وہ حضرت علی کرم اللہ وجہ سے منسوب کی گئیں۔ ممکن ہے ان کی شہرت کی یہی وجہ ہوئی ہوں مگر یہ خیال ٹھیک نہیں بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی لڑکی امامہ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہ سے بیاہی گئیں۔ رقیہ اور ام کلثوم کے پہلے نکاح ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے ہوئے۔ پھر دونوں یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کے عقد میں آئیں۔ پہلے بی بی رقیہ اور ان کے بعد ام کلثوم۔ اس لیے محض عقد وجہ شہرت نہیں ہو سکتے۔ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی بیٹی تھی۔ اور اس لیے فطرتاً سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بہت زیادہ محبت تھی۔ اور وہ اس حد کو پہنچ چکی تھی کہ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کے دونوں بچوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بیٹے فرماتے تھے اور ان سے اتنی محبت کرتے تھے۔ جتنی اپنے بیٹوں سے کسی باپ کو ہو سکتی ہے۔ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا سے رسالت مآبؐ کو جو شغف تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب آپ سفر میں تشریف لے جاتے تو سب سے پیچھے بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا سے رخصت

ہوتے اور واپسی میں سب سے پہلے ان کے پاس جاتے۔

بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا باعتبار علم و فضل اپنی سب بہنوں سے بہتر تھیں ان کے مزاج میں بچپن ہی سے اس قدر ایثار تھا کہ رسول اللہ ﷺ جیسے باپ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا جیسی ماں کی صحبت کا جو بہترین اثر کسی اولاد پر ہو سکتا تھا وہ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا پر ہوا۔ چنانچہ ملا حسین شیرازی کہتے ہیں کہ ایک موقع پر قریش میں کوئی شادی قرار پائی۔ بیبیاں اچھے اچھے کپڑے اور زیور پہن کر اس میں شریک ہوئیں بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا اس وقت زندہ تھیں انہوں نے اپنی سب بچیوں کو اس شادی میں بھیجا۔ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی عمر اس وقت پانچ سال کی تھی اور اس عمر میں بچیوں کو پہننے اوڑھنے کی جس قدر خوشی ہوتی ہے وہ ظاہر ہے اور یہ اچنبھا معلوم ہوتا ہے کہ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا نے ماں کے حکم کی تعمیل میں شرکت منظور کر لی مگر زیور کا استعمال پسند نہ کیا۔ حالانکہ دوسری بہنیں زیور پہن کر گئیں۔ لیکن غور کرنے سے بآسانی معلوم ہو جائے گا کہ ماں اور باپ کے جو خیالات ننھے سے دماغ میں جگہ پکڑ چکے تھے اور نشو و نما پا رہے تھے۔ ان کا اثر ابتدا ہی سے ظاہر ہونا شروع ہو گیا تھا اور یہی تھی وہ وجہ جو ماں باپ دونوں کی محبت میں زیادتی کا باعث ہوئی، سونے پر سہاگہ ان کی علمی قابلیت تھی۔ جس نے ان کے پاک نام کو چار چاند لگا دیئے۔ "ام المومنین" بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حدیث سے ثابت ہو چکی ہے اور ہم اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے کہ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا اور "ام المومنین" عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مقابلہ کریں۔ اس موضوع پر نواب صدیق حسن خاں نے ایک معقول بحث کی ہے اور بحث کو ان اشعار پر ختم کیا ہے۔

دی کسے گفت عائشہ در فضل   بہتر از بنت سید البشر است
مصرعہ در جواب او گفتم   رشتہ دیگر، رگ جگر دگر است

یہ خیال بھی نظر انداز نہیں ہو سکتا کہ ان کے بطن سے حسنین رضی اللہ عنہما جیسے اور ایسے لال پیدا ہوئے جو بساط امامت پر آفتاب و مہتاب کی طرح چمکے۔

بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی پیدائش

بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی پیدائش میں مورخین کا کچھ اختلاف ہے۔ مگر ۶۰۵ء پر مورخین زیادہ متفق ہیں اور یہی ٹھیک بھی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ "نبوت" کے دسویں سال یعنی "ہجرت" سے تین برس پہلے "ام المومنینؓ" خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا ہے اور "ام المومنینؓ" کے اس نکاح نے تمام برادری میں ایک تہلکہ برپا کر دیا تھا کیونکہ بڑے بڑے رئیس و امیر بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے خواستگار تھے اور ایک شخص نے تو درخواست نکاح کے ساتھ ۳ ہزار اونٹ مہر کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔ اس لیے ان لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رقابت تو پہلے ہی سے تھی بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کریلا اور نیم چڑھا ہوگیا۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ سوائے چند عورتوں کے سب نے آنا جانا چھوڑ دیا اور بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی پیدائش کے وقت برادری کی ایک عورت پاس آ کر نہ پھٹکی۔ جمعہ کا روز تھا۔ جمادی الآخر کی بیسویں تاریخ۔ طلوع آفتاب کے وقت بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا پیدا ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سب سے پہلے بچی کو دیکھا تو گود میں لیا۔ پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا تیری بیٹی دنیا کی بزرگ عورتوں میں سے ہے۔" (مسلم)

یہ الفاظ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اکثر بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کے لیے نکلتے تھے۔ ملا حسین شیرازی نے امام حسن رضی اللہ عنہ کی روایت سے "ام المومنینؓ" کا یہ قول اس موقع پر نقل کیا ہے کہ:

"مجھ کو ہر بچہ کی پیدائش میں تکلیف ہوتی تھی مگر فاطمہ سلام اللہ علیہا نے مجھ کو تکلیف نہ دی۔ مجھ کو اس کی محبت روز پیدائش ہی سے بہت زیادہ تھی۔ جب اس کو گود میں لے کر بیٹھتی تو یہ کچھ ایسی محبت کی نگاہوں سے دیکھتی کہ ماتا کا جوش ہوتا اور میں اس کو بے تابانہ کلیجہ سے لگا لیتی۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ اسلام ہی سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ وہ بچی کی تربیت

پر کوئی خاص توجہ فرمائے۔ ہاں ام المومنینؓ نے اپنی ہونہار بچی کی تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات "ام المومنینؓ" اِدھر رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے اُدھر بچی کی افتاد سے اچھی طرح سمجھ گئی تھیں کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا اپنے وقت کی مریم علیہا السلام ہوگی اور اسی لیے فرماتی تھیں کہ:

"مجھے فاطمہ سلام اللہ علیہا سے زیادہ کسی بچہ کی پرورش میں لطف نہیں آیا۔"

ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی رحلت اور بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی تربیت

افسوس یہ ہے کہ زمانہ نے ماں کو اپنی اس بچی کی بہار نہ دیکھنے دی اور بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کو ماں کے آغوش میں زیادہ رہنا نصیب نہ ہوا۔ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا پانچ برس (بعض مورخین کی تحقیق کے مطابق بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا نبوت سے ۵ سال قبل پیدا ہوئیں اور بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال نبوت کے دس سال بعد ہوا اس حساب سے اس وقت بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا ۱۵ سال کی تھیں) کی تھیں کہ "ام المومنینؓ" نے اپنی پیاری بچی سے منہ موڑا اور دوسرے جہاں کو سدھاریں۔

رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ مکہ کے مشہور قبرستان حجون میں دفن کی گئیں۔ مگر اس موت کا نتیجہ یہ ہوا کہ "ام المومنینؓ" کی وجہ سے جو فتنے دبے ہوئے تھے وہ اب پھر اٹھے۔ اور وہ مفسد وشریر النفس جن کو "ام المومنین" کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی ایذارسانی اور تکلیف دہی کی زیادہ جرأت نہ ہوئی تھی۔ اب بدلہ لینے پر آمادہ ہوئے اور چاروں طرف سے آپ پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ایسے نازک موقع پر رسالت مآب ﷺ کو اپنے ہی مقصد کی کامیابی کے لالے پڑے ہوئے تھے نہ کہ بچوں کی آسائش وتربیت کا فکر ہوتا ہاں دفن کے بعد جب گھر تشریف لائے ہیں تو بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا دوڑ کر لپٹ گئیں اور پوچھا کہ "اماں کہاں ہیں۔"

صاحب ناسخ تواریخ اس واقعہ کو اس طرح ادا کر رہا ہے۔

"نماز ظہر کے بعد جب رسول اللہ ﷺ اندر تشریف لائے تو معصوم بچی جو چند گھنٹوں سے ماں کی صورت کو پھڑک رہی تھی باپ کی صورت دیکھتے ہی بے تاب ہو گئی۔ آفتاب تیزی پر تھا۔ فاطمہ سلام اللہ علیہا ننگے پاؤں دوڑ کر باپ سے لپٹی۔ اور سوال کیا کہ "میری ماں کہاں ہیں۔" بیٹی کی صورت اور اس کا یہ سوال کچھ ایسا موثر تھا کہ رسالت مآب ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ مگر وہ ذات پاک جو راستی کا معدن صداقت کا مخزن، خلوص کا مرجع اور نیکی کا منبع تھی۔ ناممکن تھا کہ جواب غلط دیتی۔ آپ ﷺ کچھ دیر خاموش رہے۔ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو گود میں لیا۔ گلے لگایا اور فرمایا "اللہ تعالیٰ کے ہاں۔"

محلہ یا پڑوس میں کسی سے یہ توقع نہ تھی کہ بن ماں کی بچی کا دل ہاتھ میں لیتا۔ شوہروں کی بیویاں اور بچوں کی مائیں کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں۔ مگر ایسی سنگدل اور ظالم کہ کوئی آنکھ اٹھا کر بھی بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کو نہ دیکھتا۔ اسلام کا جھنڈا بلند ہو چکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ علی الاعلان توحید کا وعظ فرما رہے تھے اور یہ ایسا غضب تھا کہ مرد تو مرد عورتیں رسول اللہ ﷺ کی جانی دشمن تھیں۔ کس کی ہمدردی، کہاں کی انسانیت اور کیسا ہمسایہ۔ مرد تو الگ رہے۔ عورتیں جس قدر ایذا پہنچاتیں اسی قدر زیادہ خوش ہوتیں۔ صرف فاطمہ بنت اسد اور فاطمہ بنت زبیر دو عورتیں تھیں جو کبھی کبھی آجاتی تھیں اور بن ماں کی بچی کو بہلا لیتی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ کو اپنے کام سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ وہ بچی کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ فرما سکتے لیکن ماں کے خیالات اور باپ کی صحبت نے ابھی سے ایسے بیج بوئے تھے کہ اس عمر میں بھی وہ اکثر لکھنے پڑھنے میں معروف رہتیں۔ تعلیم کی ابتدا ماں کی نگرانی میں ہوئی اور اس ابتدائی تعلیم کے متعلق ملا حسین شیرازی "ام المومنین" خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ایک روز جب میں فاطمہ سلام اللہ علیہا کو سبق دے رہی تھی۔ اس نے دفعتاً مجھ سے سوال کیا کہ "ہم اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کو تو ہر وقت دیکھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ بھی ہمیں کبھی دکھائی دے گا۔"

''ام المومنینؓ'' نے جواب دیا۔ ''ہاں وہ وقت بھی آنے والا ہے۔ اگر ہم دنیا میں اچھے اچھے کام کریں گے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائیں گے۔ عبادت اور اچھے عمل کریں گے تو جب اس دنیا سے رخصت ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہوگی۔ وہی اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔''

بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی تربیت ام المومنین سودہؓ نے کی

ام المومنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد کچھ تو یہ وجہ تھی کہ ان کا ڈر جاتا رہا۔ اور کچھ یہ کہ رسالتمآب ﷺ کی تلقین اسلام روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ ''قریش'' کی دشمنی کی کوئی حد نہ رہی۔ یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ ایک مجمع میں باہمی قرارداد یہ ہوئی کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کا سر کاٹ کر لائے اس کو ایک گراں بہا انعام دیا جائے گا۔ چنانچہ ایک روز جب آپ ﷺ دوپہر کے وقت کھجور کے ایک درخت کے نیچے جنگل بیابان میں تنہا لیٹے ہوئے تھے آنکھ لگ گئی تھی۔ ایک شخص نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ قریب آ کر دیکھا تو آپ ﷺ کی تلوار بھی درخت پر لٹکی ہوئی تھی۔ باغ باغ ہو گیا کہ آج خدا نے بہت بڑی کامیابی دی اس سے بہتر موقع کون سا ہوگا۔ فوراً سر جدا کر دوں۔ چنانچہ اس نے تلوار اتار دی۔ ادھر آپ ﷺ کی آنکھ کھل گئی اور آپ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے تو اس نے طیش میں آکر کہا کہ ''اب کون بچانے والا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''میرا اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے'' اتفاق سے تلوار اس شخص کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اور آپ ﷺ نے تلوار اٹھا کر دریافت کیا۔ ''اب تجھ کو بچانے والا کون ہے؟'' وہ شخص سرنگوں تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے کرم سے اس کا قصور معاف کیا اور وہ آپ ﷺ کا کلمہ پڑھتا ہوا چلا گیا۔ (اسپرٹ آف اسلام ۱۲ مسلم ۱۲)

ایسی دشمنی کی حالت میں کہ پاؤں کی چیونٹی بھی خون کی پیاسی تھی آپ ﷺ کو کس طرح خانہ داری کے جھگڑوں پر توجہ کرنے کی مہلت مل سکتی تھی مگر بچوں کی پرورش اور بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی تربیت کے واسطے ایک معمر تجربہ کار اور

دیندار عورت کی اشد ضرورت تھی جو گھر کے کام کاج کو سنبھالے اور بچوں کی دیکھ بھال کر سکے۔ قریش کے وہ چند لوگ جو اب تک ایمان لا چکے تھے ان میں دو غریب میاں بیوی سکران اور سودہ بھی تھے۔ مگر ان کا مسلمان ہونا ان کے واسطے مصیبت ہو گیا۔ دشمن جو ایذائیں ان کو پہنچا سکتے تھے، وہ پہنچاتے میل جول تو خیر ایسی چیز نہ تھا اور خود یہ دونوں بھی اس کی ضرورت نہ سمجھتے تھے مگر ظالموں نے غضب یہ کیا کہ دن دہاڑے گھر میں پتھر پھینکتے یہاں تک کہ ایک دفعہ سکران کا سر پھوٹ گیا۔ اور خون کی تلّی بندھ گئی۔ مجبوراً ان دونوں نے اپنے وطن کو خیر باد کہا اور ان کم بختوں کے ہاتھ سے اس طرح چھٹکارا پایا کہ حبشہ روانہ ہو گئے۔ مگر تقدیر کی بات ہے کہ سکران کی عمر نے وفا نہ کی۔ ابھی پوری طرح بسنے بھی نہ پائے تھے کہ سکران کو موت آ گئی اور وہ بیوی کو بے کس چھوڑ کر رخصت ہوا۔ اب بی بی سودہ کی حالت بہت ہی زبوں تھی۔ عزیز موجود تھے اور خون کے پیاسے اور جان کے دشمن۔ رہنے کا کوئی ٹھکانا نہیں مجبوراً حبشہ سے چلیں اور مکہ معظمہ واپس آئیں اور داستان مصیبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنائی۔ آپ بہت آبدیدہ ہوئے اور گو "ام المومنین" خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرح بی بی سودہؓ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عمر میں بڑی تھیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی دلجوئی کے واسطے ان سے نکاح کر لیا اور اس طرح سیدۃ النساء سلام اللہ علیہا کی تربیت کا یہ دور "ام المومنین" سودہؓ کی نگرانی میں شروع ہو۔

بی بی سودہؓ کو زندگی کی ضرورتیں اب زیادہ باقی نہ رہی تھیں وہ اب صرف دین کی درستی میں مصروف تھیں اور چاہتی تھیں کہ کسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہوں۔ چنانچہ انہوں نے ایک موقع پر صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ "میرے واسطے صرف یہی کافی ہے کہ "میں قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی کہہ کر پکاری جاؤں" اس سے ظاہر ہے کہ "ام المومنین" سودہؓ کے خیالات کس قسم کے ہوں گے اور انہوں نے بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی تربیت اس لیے کہ وہ جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں کس طرح کی ہو گی۔

صاحب مدارج النبوۃ لکھتا ہے کہ "اس عقد سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فاطمہ سلام اللہ

علیہا کی طرف سے پورا اطمینان ہو گیا۔"

بی بی سودہؓ کا یہ تقاضا عمر تھا اور اس پر اسلام کا عشق کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی یاد میں مصروف رہتیں۔ وہ بیج جو بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے مبارک ہاتھوں سے اپنی بچی کے دل میں بو گئی تھیں اور جو رسول اللہ ﷺ کے زیر سایہ پرورش پا رہے تھے۔ اب بی بی سودہ کے ہاتھوں سینچے گئے۔ بی بی سودہؓ کی یہ تربیت جس میں فاطمہ بنت اسد کے درس بھی شامل ہیں۔ گو بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی پرورش کے لیے کافی تھے اور رسول اللہ ﷺ کو اس طرف سے پورا اطمینان تھا مگر قریش کی ایذا رسانی حد کو پہنچ گئی اور وہ اس قدر جفا کار ہو گئے تھے کہ جس راستہ سے حضورؐ کا گزر ہوتا وہاں کنویں کھود کر ان کے منہ پر گھاس پھونس اور تنکے بچھا دیتے تا کہ اندھیرے اجالے ان میں گر پڑیں۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ آپؐ نے قریش کو جمع کر کے ان سے کہا کہ "اگر تم میں سے چند آدمی بھی میرے ساتھ ہو جائیں تو دیکھنا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی کس طرح تعمیل ہوتی ہے۔" سرداران قریش نے ایک دوسرے کا منہ دیکھا اور اس فقرہ کا مضحکہ اڑایا۔ مگر مجلس میں سے ایک دس برس کا بچہ اٹھا اور آگے بڑھ کر بولا کہ "یا رسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ کے ساتھ ہوں۔" یہ بچہ وہی بچہ ہے جس کو آگے چل کر بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کے شوہر ہونے کا فخر حاصل ہوا۔ اس وقت تو سب نے قہقہہ مارا۔ مگر کسے خبر تھی کہ بچے کے الفاظ صداقت سے بھرے اور خلوص سے پُر ہیں۔

بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا اب ہوشیار تھیں اور گو ان سے مافوق الفطرت باتیں ظہور میں نہ آ رہی تھیں لیکن فراست و دانشمندی نے خود بی بی سودہؓ کو ان کا اس حد تک گرویدہ کر لیا تھا کہ ان کو دم بھر کی مفارقت بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی گوارا نہ تھی۔ عزوہ بن زبیر کا بیان ہے کہ "فاطمہ کی خداداد ذہانت، ان کی قابلیت، ان کا صبر و شکر اسی عمر میں عام طور پر مشہور ہو چکا تھا اور اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ نہ صرف مسلمان عورتیں بلکہ اب دور دور سے غیر مسلم عورتیں بھی بنت الرسول کو دیکھنے آتیں۔"

فاطمہ شامیہ جو ایک بڑے امیر کی لڑکی تھی اور جو کسی زمانہ میں رسالت مآبؐ کے والد بزرگوار عبداللہ سے نکاح کی خواہشمند تھی۔ اس کی بابت صاحب ناسخ التواریخ یہ لکھ رہا ہے کہ "جس وقت آپ کی شادی آمنہ رضی اللہ عنہا سے ہو چکی ہے اور وہ حاملہ ہو گئیں تو عبداللہ نے نکاح پر رضامندی ظاہر کی۔ مگر فاطمہ شامیہ نے اب یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں صرف اس روشنی کی خواہش مند تھی جو آپ کی پیشانی میں چمک رہی تھی۔ لیکن وہ جس کی تقدیر کی تھی اس کے پاس گئی۔ اب میں اس درخواست کو نامنظور کرتی ہوں۔ یہی فاطمہ شامیہ بی بی سیدہ کے زمانہ طفولیت میں زندہ تھی اور جب اس نے اس بچی کی ذکاوت اور فراست کا شہرہ سنا تو شام سے چل کر مکہ معظمہ آئی۔ خود زبردست عالم تھی۔ توریت و زبور پر عبور تھا۔ بہت سے تحائف ساتھ لائی۔ کچھ میوے تھے کچھ موتی تھے۔ کپڑا تھا اور کھانے پینے کی بہت سی چیزیں۔ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا نے اپنے مہمان کا گرم جوشی سے استقبال کیا۔ اور کہا "ان موتیوں کا مصرف کار خیر سب سے بہتر ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو یہ اسلام کی خدمت میں کام آئیں۔" فاطمہ شامیہ نے یہ سن کر بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کو سینہ سے لگا لیا اور یہ دیکھ کر دنگ رہ گئی کہ کھانے کا بڑا حصہ انہوں نے ان مسلمانوں کی نذر کر دیا جو راہ حق میں ہر وقت سینہ سپر تھے۔

بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی مکہ معظمہ سے روانگی

"قریش کی طرف سے جو تکلیفیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ رہی تھیں وہ بہت زیادہ ہو گئیں اور اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ سے روانگی کا قصد کیا۔ اہل مدینہ کی ایک جماعت اسلام قبول کر چکی تھی اور لوگوں کا مدت سے اصرار تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آئیں۔ اِدھر "قریش" کی دشمنی اُدھر ان لوگوں کا اصرار، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور بال بچوں کی حفاظت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد کی اور مخالفین کا زور اب بھی کم نہ ہوا۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ

ہر وقت ایک تلوار ہاتھ میں لیے اپنے فرض کے ادا کرنے میں مصروف تھے۔ ان کی اس ہمت و جرأت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت اثر ہوا۔ مگر اس خیال سے کہ ظالم نہ معلوم کیا فتنہ کھڑا کر دیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو بلا لیا۔ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا ایک اونٹ پر سوار تھیں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کی حفاظت میں پیدل چل رہے تھے کہ دو آدمیوں نے جو مسلم نہ تھے اہل بیتؓ پر حملہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کی اعانت شامل حال تھی۔ ان میں ایک بہت بری طرح زخمی ہوا اور تلوار ایسی کاری لگی کہ گر کر اٹھنا نصیب نہ ہوا۔ دوسرا اپنے رفیق کی حالت دیکھ کر ایسا دم دبا کر بھاگا کہ پھر مدینہ منورہ تک اس کی صورت نہ دکھائی دی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو گلے سے لگا لیا اور درازی عمر کی دعا کی۔

بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کا نکاح

چاہیے تھا کہ مدینہ پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی دن اطمینان کا نصیب ہوتا تو بہ، مکہ معظمہ کی طرح یہاں بھی وہی روز روز کے قصے قضیے اور ہر وقت کے لڑائی جھگڑے۔ خود اہل مدینہ منورہ اور گرد و نواح کے یہودی اگر ذرا موقع پاتے تو مسلمانوں کو اذیت پہنچانے میں کسر نہ اٹھا رکھتے۔ بہت سی لڑائیاں ہوئیں اور مسلمان کامیاب بھی ہوئے مگر تعصب کی آگ کسی طرح فرو نہ ہوئی۔

یوں تو شروع ہی سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں جگہ پائے ہوئے تھی۔ اور کیوں نہ ہوتی۔ بچوں کی طرح پالا۔ بیٹوں کی طرح رکھا۔ لیکن اس پریشانی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کچھ ایسا ساتھ دیا اور ایسی خدمات انجام دیں کہ حد درجہ کی محبت میں اعلیٰ درجہ کی وقعت بھی شامل ہو گئی۔ اس وقت حضرت سیدہ بھی بچپن کا زمانہ ختم کر چکی تھیں۔ ہوشیار ہونا تھا کہ چاروں طرف سے نکاح کے پیغامات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے لگے لیکن رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو صاف جواب دے دیا۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ دوپہر کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک طرف سے آ

رہے تھے راستہ میں دیکھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جنگل میں اپنا اونٹ چرا رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔

''علی کرم اللہ وجہہ تم بانی اسلام سے فاطمہ سلام اللہ علیہا کی درخواست کیوں نہیں کرتے۔ میرے خیال میں تم کو ضرور کامیابی ہو گی۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کچھ آبدیدہ سے ہو گئے اور فرمایا ''اے عمر رضی اللہ عنہ کیوں اس آگ کو بھڑکاتے ہو جس کو میں مدت سے اپنے سینہ میں دبائے ہوئے ہوں۔''

اتنا کہہ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے چہرہ سے اداسی ظاہر ہونے لگی۔ مگر بالآخر حضرت علی کرم اللہ وجہہ مع ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کی طرف اسی غرض سے روانہ ہو گئے۔

اس وقت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ام سلمہؓ کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آ کر دروازے پر ہاتھ مارا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر بلایا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ شرم کے مارے گردن نیچی کر کے آ بیٹھے کچھ دیر تک خاموشی طاری رہی۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''اے علی کرم اللہ وجہہ ایسا معلوم ہوتا ہے کچھ کہنا چاہتے ہو اور شرم اجازت نہیں دیتی جو کچھ کہنا ہو کہو۔''

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا ''اے اللہ تعالیٰ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بچپن ہی سے اپنے باپ ابو طالب اور ماں فاطمہ بنت اسد سے علیحدہ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی روٹی سے پالا اور اپنی صحبت میں ادب سکھایا۔ ماں ہیں تو آپ۔ باپ ہیں تو آپ۔ بلکہ دونوں سے بہتر ہیں آپ۔ آج میری دنیا و آخرت کی پونجی جو کچھ ہیں وہ آپ۔ مجھے شرف غلامی حاصل ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ فاطمہ کا نکاح مجھ سے ہو جائے۔''

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے دریافت کیا کہ:

''فاطمہ سلام اللہ علیہا کے نکاح کے واسطے تمہارے پاس کچھ جمع ہے۔''

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ ﷺ میرے مال و متاع کا حال آپ کو معلوم ہے۔ ایک تلوار، ایک اونٹ، ایک زرہ، ان تینوں چیزوں کا مالک ہوں اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔''

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس جواب سے رسالت مآب ﷺ کے چہرہ پر مسکراہٹ آ گئی اور فرمایا ''یہ تلوار تم کس طرح علیحدہ نہیں کر سکتے ہو اپنی حفاظت، دشمنوں کا مقابلہ، اس کو الگ کرو گے تو بالکل نہتے رہ جاؤ گے۔ اس کا تمہارے پاس رہنا نہایت ضروری ہے۔ رہا اونٹ، اس کا علیحدہ کرنا بھی مشکل ہے۔ سفر درپیش آیا تو سخت زحمت ہو گی۔ یہ بھی مناسب نہیں معلوم ہوتا البتہ ایک زرہ باقی رہ گئی جو بظاہر ان دونوں چیزوں کے مقابلہ میں زیادہ کام کی نہیں۔ اس کی علیحدگی ممکن ہے میں اس معاملہ میں تم کو جواب قطعی کچھ دیر کے بعد دوں گا۔''

اس وقت رسالت مآب ﷺ سیدھے سیدہ سلام اللہ علیہا کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا۔

''علی کرم اللہ وجہہ تیری خواہش لے کر میرے پاس آیا ہے۔''

سیدۃ النساء سلام اللہ علیہا اس وقت کلام اللہ پڑھ رہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سن کر خاموش ہو گئیں اور گردن جھکا لی۔ چند لمحہ تک سرور کائنات ﷺ بیٹی کے چہرے کو ملاحظہ فرماتے رہے لیکن کوئی جواب نہ ملا تو آپ ﷺ نے اس خاموشی کو رضامندی خیال فرمایا اور کہا۔

''فاطمہ سلام اللہ علیہا کی خاموشی اس کی رضامندی ہے۔''

سیدۃ النساء سلام اللہ علیہا اپنے محترم باپ کے یہ الفاظ سن کر اور بھی شرما گئیں اور چہرہ چھپا لیا۔ رسالت مآب ﷺ نے اس وقت زیادہ ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور ایک کونہ میں خاموش بیٹھ گئے۔

بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کے نکاح پر بعض مورخین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ نکاح پہلے آسمان پر ہوا اور اس کے بعد زمین پر انجام پایا۔ غالباً اسی روایت نے

عورتوں کے دل میں یہ عقیدہ راسخ کر دیا ہے کہ ہر لڑکی کا نکاح پہلے آسمان پر ہو جاتا ہے اس کے بعد زمین پر۔ بہر حال ہم کو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ تعجب کیا ہے جو رسالت مآبؐ اس نکاح میں اللہ تعالیٰ کی مرضی معلوم کرنے کے منتظر رہے ہوں اور صاحب خمیس کی رائے کے موجب ان کو اس عقد میں ادھر سے بھی اجازت ملی ہو۔ المختصر تھوڑی دیر بعد رسول اللہ ﷺ اٹھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس تشریف لا کر فرمایا۔

''میں فاطمہ سلام اللہ علیہا کو تمہارے نکاح میں دینے پر رضامند ہوں۔ زرہ فروخت کر دو۔ اس میں تمہارا مہر بھی ہو جائے گا اور باقی سامان بھی اسی میں سے آ جائے گا۔''

اتنا سنتے ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا چہرہ خوشی کے مارے کھل گیا۔ وہ ہشاش بشاش ام سلمہؓ کے گھر سے باہر نکلے اور زرہ بیچنے کا ارادہ کیا کہ دفعتہً ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما ان سے پھر ملے اور پوچھا کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے کیا جواب دیا۔ ''حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے چہرے کی بشاشت اور خوشی جو اس وقت ظاہر ہو رہی تھی دونوں کے سوال کا جواب تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مفصل کیفیت بیان کی اور کہا کہ ''رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے ہیں۔ تجویز یہ ہے کہ لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں تا کہ نکاح کا اعلان ہو جائے۔''

دونوں بزرگ مع حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مسجد میں تشریف لائے۔ ابھی اندر داخل نہ ہوئے تھے کہ سرور کائنات ﷺ بھی تشریف لے آئے اور بلال رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ''مہاجر و انصار کو جمع کرو۔'' چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں فوراً تمام مہاجر و انصار جو وہاں موجود جمع ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت منبر پر تشریف لائے۔ خطبہ نکاح پڑھا اور فرمایا۔

''میں نے اپنی بیٹی فاطمہ سلام اللہ علیہا کو چار سو مثقال کے عوض علی کرم اللہ وجہہ کے نکاح میں دیا۔''

اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا۔۔

"علی اٹھو اور خطبہ کے قاعدہ کو بجالاؤ۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اٹھے اور کہا۔

"تحقیق میرا نکاح محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی ارجمند صاجزادی فاطمہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ چار سو مثقال مہر کے عوض کر دیا۔ جو بخوشی مجھ کو منظور ہے۔ مسلمانوں کی جماعت اس نکاح کی گواہ رہے۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس اعلان پر چاروں طرف دعا کی آوازیں آنے لگیں۔ نکاح کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ حافظ مغلطائی اور احمد بن عبداللہ ہجری لکھتے ہیں کہ صفر میں ہوا۔ اعدابہ کی رائے ہے کہ محرم اور کتاب خمیس سے معلوم ہوتا ہے کہ رجب۔ عمر کا بیان ہے کہ یہ نکاح واقعہ بدر کے بعد شوال ۲ھ (بعض مورخین لکھتے ہیں کہ جنگ احد سے پہلے ۲ ھ میں ہوا) میں ہوا۔ اسی طرح رقم مہر میں بھی ناسخ التواریخ کے قول کے بموجب تھوڑا سا اختلاف ہے۔ وہ چار سو مثقال سے کچھ کم لکھتا ہے بہر حال مہر چار سو مثقال کے قریب تھا۔

نکاح سے فراغت پانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا۔

"علی کرم اللہ وجہہ جاؤ اور زرہ بیچ ڈالو۔ اور اس کی قیمت مجھے لا دو۔"

چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ زرہ لے کر بازار میں آئے۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے وہ زرہ خریدی اور چار سو مثقال حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیئے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قیمت دے چکے اور زرہ ان کے قبضہ میں آ گئی۔ مثقال حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے گن کر رکھ لیے تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا۔

"علی کرم اللہ وجہہ یہ زرہ تم کو اچھی معلوم ہوتی ہے۔ روپیہ بھی لے جاؤ اور زرہ بھی۔ میں نے قاعدۂ شرعی کے موافق اس لیے کہ زرہ اب میری ملکیت ہے تم کو ہبہ کی۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے وہ زرہ لے لی اور مثقال چادر کے ایک کونہ میں باندھ کر رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ابتدا تا انتہا تمام

واقعہ عرض کیا۔ جس وقت رسالت مآب ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حال سنا۔ تو آپ ﷺ نے دست مبارک آسمان کی طرف اٹھائے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں دعائے خیر کی۔

اس وقت رسالت مآب ﷺ نے بغیر گنے اور مٹھیاں بھر کر درم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دیئے اور فرمایا۔ ''جاؤ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی روانگی کی تیاریاں کرو۔''

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔ ''میں نے گنے تو وہ مثقال تین سو ساٹھ تھے۔ میں نے ایک بچھونا۔ ایک چمڑے کا تکیہ جس میں اُون بھرا ہوا تھا۔ ایک مٹی کا پیالہ۔ چند مٹی کے آبخورے۔ ایک پردہ یہ سب چیزیں خریدیں اور لے کر سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔''

اس موقع پر صرف ناسخ التواریخ کے بیان میں تھوڑا سا اضافہ ہے۔ وہ اس تمام سامان کو تسلیم کرنے کے بعد دو چاندی کے بازو بند بھی لکھ رہا ہے۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ''جب میں یہ سامان لے کر سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے تمام سامان ملاحظہ فرمایا اور چشم مبارک میں آنسو آگئے۔ اس وقت آپ ﷺ نے آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا۔

''الٰہی برکت دیجیو اس قوم کو جس کا بہتر سامان مٹی کے برتن ہوں۔''

ہم اس سامان کو آج کل کے رسم کے موافق وہ چڑھاوا سمجھ لیتے ہیں۔ جو دولہا کی طرف سے دلہن کو ملتا ہے اور صاحب ناسخ التواریخ کے قول کے موافق اس سامان کو جو رسالت مآب ﷺ کی طرف سے دیا گیا سیدہ کا جہیز اور جس کی تفصیل وہ اس طرح سے کرتا ہے۔

ایک چکی، دو پاجامے، دو مٹکے، ایک بدھنی، ایک بستر، ایک جانماز اور کلام اللہ کی چند سورتیں۔

اب رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ فاطمہ کے نکاح کی خوشی میں دف بجایا جائے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی۔ اور دف بجنے لگا۔

رسالت مآب ﷺ اس وقت بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کے پاس تشریف

لائے تو دیکھا کہ وہ غمگین اور خاموش بیٹھی تھیں۔

بہت ممکن ہے کہ یہ خموشی بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کو میکے کی مفارقت سے ہو مگر صاحب ناسخ التواریخ کا بیان ہے کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے سیدہ کو تسکین دی اور یہ فرمایا۔

"فاطمہ سلام اللہ علیہا ! اللّٰہ غنی وانتم الفقراء۔

"بیٹی دنیا کی تکلیفیں چند روزہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں جا کر آرام کر لینا۔"

ہم کو ناسخ التواریخ سے اس معاملہ میں اتفاق نہیں ہے اور ناسخ التواریخ ہی نہیں اصابہ نے اس وقت کی گفتگو میں جو کچھ لکھا ہے اس میں بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی افسردگی میں افلاس کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اور ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تمام خوشی اور رنج وملال صرف اس لیے تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ مفلس تھے۔ لیکن وہ پاک بی بی جس نے بچپن ہی میں اپنی عادات اور خصائل سے ظاہر کر دیا تھا کہ دولت رغبت کی چیز نہیں۔ ہرگز اس خیال سے ملول نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لیے یہ خموشی صرف اس جدائی کی تھی جو ہر لڑکی کو وداع کے وقت ہوتی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کے متعلق تسکین فرمائی ہاں رسالت مآب ﷺ نے اس لیے یہ خیال فرمایا ہوگا کہ فاطمہ شاید علی کرم اللہ وجہ کے افلاس سے خموش ہے۔ اور تسکین میں صرف اس طرف اشارہ کر دیا ہوگا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ شوہر کے افلاس سے رنجیدہ تھی۔

اسی قسم کی ایک بحث مورخین نے دوسرے پیرایہ میں بھی کی ہے کہ وداع کے بعد ایک روز سرور کائنات ﷺ نے سیدہ کو ملول پایا تو دریافت کیا۔ "فاطمہ سلام اللہ علیہا خاموش کیوں ہو۔"

انہوں نے جواب دیا کہ "قریش کی عورتیں طعنہ دیتی ہیں کہ تیرا باپ اور شوہر دونوں فقیر ہیں۔" جس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی بہت تسکین فرمائی اور کہا۔ "تیرا شوہر اہل بیت میں سب سے بہتر ہے۔"

افسوس ہم کو اس سے بھی اتفاق نہیں۔ سیدہ کی بابتہ یہ خیال کرنا کہ وہ اس عقد سے ملول تھیں۔ ان کی تمام صفات حسنہ کو بٹہ لگاتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ قریش کی عورتوں نے طعنہ دیا ہو لیکن اس طعنہ کا اتنا اثر کہ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا جیسی خاتون اس سے اس درجہ متاثر ہوئیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کرتیں۔ قرین قیاس نہیں۔

اسی قسم کا ایک واقعہ ایک صاحب ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

''ایک روز ایک سائل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے کو حکم دیا کہ اپنی ماں سے کہو جو رکھا ہو اس کو دے دیں۔ چنانچہ وہ اندر گئے اور واپس آ کر کہا کہ ''وہ فرماتی ہیں کہ ایک درہم ہم نے آٹے کے واسطے رکھا ہے اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے پھر دوبارہ بھیجا اور کہا نہیں فوراً دے دو۔ چنانچہ وہ درہم دے دیا گیا۔''

ان واقعات کا یقین کرنا سرتاسر غلطی ہے۔ ہم کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی سخاوت اور ایثار سے انکار نہیں۔ مگر سیدہ کا ایثار اپنے نیک شوہر سے کسی طرح کم نہ تھا۔ ناممکن تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک سائل کو بھیجتے۔ اور بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنی ضرورت کا عذر کر کے اس کو ٹال دیتیں۔

الغرض جب یہ تمام سامان حضرت صدیق رضی اللہ عنہ لے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ درم جو اب باقی رہے تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دے دیئے کہ چھوارے اور پنیر لے آؤ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ میں بازار گیا پانچ درہم کا گھی خریدا۔ چار کے چھوارے اور ایک کا پنیر۔ یہ سب چیزیں ملا کر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو ملاحظہ فرما کر دستر خوان طلب کیا۔ اور ان کو ملا کر جیش بنایا اور مجھ کو حکم دیا۔ باہر جاؤ اور جس مسلمان سے ملاقات ہو اندر بلا لاؤ۔ چنانچہ میں اس حکم کی تعمیل میں باہر گیا اور جو لوگ ملے ان کو اندر بلا کر کھانا کھلایا۔ جب یہ لوگ کھا کر چلے گئے تو آپ نے ایک مٹی کا پیالہ مانگا اور اس کو جیش سے بھر کر فرمایا یہ فاطمہ سلام اللہ علیہا اور اس کے شوہر کا

ہے۔ اس کے بعد ازدواج مطہرات کو دیا۔ اور ام سلمہؓ سے فرمایا جاؤ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو بلا لاؤ۔ وہ اٹھیں اور جا کر سیدۃ النساء سلام اللہ علیہا کو اپنے ہمراہ لائیں۔ اس وقت سیدہ کے چہرے سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ قریب پہنچیں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ردا جو چہرہ پر تھی ہٹائی اور اپنے سینہ پر بائیں طرف سیدہ کا سر رکھا۔ پیشانی پر بوسہ دیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر فرمایا۔

"علی کرم اللہ وجہہ! پیغمبر کی بیٹی تجھے مبارک ہو۔"

اس کے بعد سیدۃ النساء سلام اللہ علیہا کی طرف منہ کیا اور فرمایا۔

"فاطمہ تیرا شوہر بہت اچھا شوہر ہے۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تھوڑا سا پانی لاؤ۔"

جب پانی آ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے تھوڑا سا پھینک دیا۔ کچھ دعا دم کی۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا۔ "اس میں سے تھوڑا سا پی لو اور تھوڑا سا چھوڑ دو۔" چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے پانی پیا اور تھوڑا سا چھوڑ دیا۔ جو باقی رہا تھا وہ سینہ اور منہ پر چھڑکا اور تھوڑا سا پانی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اور طلب کیا اور اسی طرح حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے واسطے دعا کی اور ان کو پلایا۔ اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے آئے اور نکاح سے فراغت پائی۔

سیدۃ النساء سلام اللہ علیہا کی وداع

نکاح کو ایک مہینہ سے زیادہ گزر گیا تو ایک روز حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بھائی عقیل نے کہا ہماری خواہش ہے کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کریں کہ وہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو وداع کر دیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ "میری دلی خواہش بھی یہی ہے۔ مگر کیا کروں مجھ کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے ہوئے کچھ شرم سی معلوم ہوتی ہے۔"

عقیل نے کہا۔ "چلو میں اور تم دونوں خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یہ التجا

پیش کریں۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہ کو حجاب دامن گیر تھا۔ مگر عقیل کے زیادہ اصرار سے رضامند ہو گئے۔ اور دونوں اس درخواست کے پیش کرنے کے واسطے روانہ ہوئے۔ راستہ میں آپ کی کنیز ام ایمن ملیں اور دریافت کیا کہ "علی کرم اللہ وجہ اور عقیل کدھر کا قصد ہے؟"

حضرت علی کرم اللہ وجہ خاموش ہو گئے۔ مگر عقیل نے مفصل کیفیت ظاہر کر دی اور کہا۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس غرض سے جاتے ہیں کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے وداع کی درخواست کریں۔"

ام ایمن نے کہا۔ "میرے خیال میں یہ زیادہ بہتر ہو گا کہ پہلے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے مشورہ کرو۔ اگر وہ بھی اس رائے سے اتفاق کرلیں تو بہت اچھا ہو گا۔

عقیل نے اس رائے کو پسند کیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہ نے بھی یہی بہتر خیال کیا اور یہ تینوں عقیل اور ام ایمن اور علی کرم اللہ وجہ سب سے پہلے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے۔ ام ایمن نے ان سے مفصل کیفیت بیان کی۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا یہ سن کر بہت خوش ہوئیں اور دونوں کو ساتھ لے کر تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اس مشورہ سے شریک کیا اور بالآخر یہ جماعت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچی۔ جہاں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔

کچھ دیر مختلف معاملات پر گفتگو ہوتی رہی اس کے بعد ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ شروع کیا اور کہا "اس وقت اگر وہ زندہ ہوتیں تو فاطمہ سلام اللہ علیہا کے نکاح کی ان کو کس قدر مسرت و شادمانی ہوتی۔" رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک میں آنسو آ گئے اور آپؐ نے فرمایا۔ "خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مثل کہاں سے لاؤں اس نے میری تصدیق ایسے وقت میں کی جب دنیا مجھے جھٹلا رہی تھی۔ اس نے اپنا مال اس وقت جب سب مجھ کو محروم کر رہے تھے راہ حق میں قربان کیا۔ اس نے میری خدمت اسلام کی حمایت اور مسلمانوں کی اعانت میں کبھی اور کسی طرح کسر نہ کی۔"

ام سلمہؓ نے حضور اکرم ﷺ کے ارشاد پر کہا۔ ''درست ہے یا رسول اللہ ﷺ معبود حقیقی اب ہم سب کو ان سے جنت الفردوس میں ملائے۔'' تمام بیبیوں نے اس پر کہا۔ ''آمین۔''

اس کے بعد ام سلمہؓ نے کہا۔ ''یا رسول اللہ ﷺ آپ کے بھائی اور چچا کے لڑکے علی کرم اللہ وجہہ اپنی بیوی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی وداع کے واسطے درخواست کرنے حاضر ہوئے ہیں باہر کھڑے ہیں۔''

رسالت مآب ﷺ نے فرمایا۔ ''مجھ سے آج تک علی کرم اللہ وجہہ نے اس کے متعلق کبھی کچھ نہ کہا جاؤ ان کو بلا لاؤ۔'' ام سلمہؓ نے کہا'' آپ ﷺ علی کرم اللہ وجہہ سے اچھی طرح واقف ہیں۔ شرم نے ان کے منہ پر مہر لگا رکھی ہے اور وہ کچھ عرض نہ کر سکے۔'' یہ کہہ کر وہ کھڑی ہوئیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آواز دے لی۔

جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سامنے آئے تو رسول اکرم ﷺ نے سلام کا جواب دے کر فرمایا۔ ''علی کرم اللہ وجہہ کیا تم چاہتے ہو کہ میں فاطمہ سلام اللہ علیہا کو رخصت کر دوں۔'' رسالت مآب ﷺ کے اس استفسار کے جواب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کوئی جواب نہ دیا اور گردن جھکا کر آنکھیں نیچی کر لیں اور ''امہات المومنینؓ'' نے جو اس وقت موجود تھیں عرض کیا کہ ''شرم علی کو اجازت نہیں دیتی مگر یہ خواہش ان کو اس وقت یہاں لائی ہے۔''

سرور کائنات ﷺ نے حکم دیا کہ ''جاؤ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو بلا لاؤ۔'' چنانچہ ام ایمن جا کر بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کو بلا لائیں۔

یہاں صاحب ناسخ التواریخ اصابہ عبداللہ ہجری کے اقوال میں اختلاف ہے۔ صاحب ناسخ التواریخ اور عبداللہ کا بیان ہے کہ پہلے ''امہات المومنینؓ'' نے بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کو نہلا دھلا کر دلہن بنایا اور اس کے بعد لائیں مگر اصابہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فوراً بلا لی گئیں۔

الغرض جب بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا تشریف لے آئیں تو سرور کائنات ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سیدھے ہاتھ کی طرف بٹھایا اور بی بی

فاطمہ سلام اللہ علیہا کو الٹے ہاتھ کی طرف اس کے بعد دونوں کو کچھ نصیحتیں کیں جو حقوق زوجین کے متعلق تھیں۔ لیکن افسوس ان نصیحتوں کی تصریح میں سب خاموش ہیں۔ صرف ملا حسین شیرازی اتنا لکھتا ہے کہ پہلے آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا۔ علی کرم اللہ وجہہ، فاطمہ سلام اللہ علیہا کے رضامند رکھنے کی کوشش کیجیے۔'' پھر بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا سے یہی الفاظ فرمائے۔ اس کے بعد آپ ﷺ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ساتھ لے کر دروازے تک تشریف لائے بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی پیشانی کو بوسہ دیا اور دونوں کے حق میں دعا کی۔ عقیل نے پہلے ہی سے اونٹ لا کر کھڑا کر دیا تھا۔ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا اس پر سوار ہو کر وداع ہو گئیں۔

یہاں بھی تھوڑا سا اختلاف نظر آ رہا ہے۔ ایک بیان یہ بھی ہے کہ ام سلمہؓ سے کہا'' فاطمہ سلام اللہ علیہا کے حجرے میں جھاڑو بہار و دے دو اور بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا اس روز نہیں بلکہ اس کے تیسرے روز وداع ہوئیں۔'' مگر پہلا بیان زیادہ درست معلوم ہوتا ہے اور اسی پر زیادہ اتفاق ہے۔

اسماء بنت عمیس اس وقت موجود تھیں انہوں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ ﷺ لڑکیوں کو وقت بے وقت کے واسطے کسی بڑی بوڑھی کی ضرورت ہوتی ہے جس وقت ام المومنین بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حالت خراب ہوئی ہے اور ان کو موت کا یقین ہو گیا میں ان کی خدمت میں حاضر تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ چپکے چپکے رو رہی ہیں۔ مجھے تعجب ہوا اور میں نے عرض کیا کہ اس وقت آپ رضی اللہ عنہا کیوں رو رہی ہیں۔ آپ پیغمبر آخر الزمانؐ کی بیوی اور وہ بیوی ہیں کہ آپ کے احسانات کا رسالت مآب ﷺ نے بارہا اعتراف کیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کی تمام خدمات کا معاوضہ اب آپ رضی اللہ عنہا کو ملے گا۔ یہ وقت رونے کا نہیں ہے۔ تو انہوں نے فرمایا۔ ''اسماء دلہنوں کو شہروں کے ہاں جا کر پہلے پہلے عقلمند ساتھ والیوں کی ضرورت ہوتی ہے نیا گھر ہوتا ہے نئے لوگ ہوتے ہیں اور زندگی کا اصلی دور اسی وقت سے شروع ہوتا ہے۔ دل گھبراتا ہے طبیعت پریشان ہوتی ہے۔ ساتھ والیاں اس لیے جاتی

ہیں کہ ماں باپ سے چھوٹی ہوئی بچی اور گھر بار سے بچھڑی دلہن کا دل بہلائیں۔ میری بیٹی فاطمہ سلام اللہ علیہا بچہ ہے۔ خبر نہیں کہ اس کی شادی کس عمر میں ہو اور اس کو اس وقت جب یہ اس گھر سے رخصت ہو کر ایک نئی دنیا میں قدم دہرے کوئی شائستہ عورت میسر ہو یا نہ ہو۔ یہ ہے وہ خیال جو اس وقت مجھے رلا رہا ہے۔ اور یہ ہے وہ حسرت جس کو میں اپنے ساتھ لے جاتی ہوں۔ میرے عزیز دل میں کوئی عورت اس لائق نہیں جو میری درخواست کو منظور کرتی اور مجھ سے وعدہ کرتی کہ جس وقت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے سر پر میں نہ ہوں گی اور یہ روتی دھوتی اپنے شوہروں کے ہاں سوار ہو گی۔ اس وقت وہ اس کا غم غلط کرے گی۔

ام المومنینؓ کی طبیعت ان الفاظ پر زیادہ بگڑ گئی اور اس قدر روئیں کہ ہچکی بندھ گئی۔ فاطمہ سلام اللہ علیہا اس وقت کلام اللہ پڑھ رہی تھیں۔ انہوں نے اس کو اپنے پاس بلا کر کلیجہ سے لگایا۔ اور کہا میں اپنی بچی کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتی ہوں۔ وہی سب سے بہتر ساتھ والا اور ناصر و مددگار ہے۔ وہی اس کا دل بہلائے گا اور غم غلط کرے گا "ام المومنین" کے رونے کا مجھ پر بھی بہت اثر ہوا اور میں بھی روتی رہی۔ اس کے بعد میں نے عرض کیا "ام المومنین" میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ اگر اس وقت میں زندہ رہی تو اس خدمت کو بجا لاؤں گی۔ انہوں نے مجھے دعا دی اور میرا شکریہ ادا کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ آج اس وعدے کے پورا کرنے کا وقت ہے۔ اجازت دیجیے کہ میں فاطمہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ جاؤں۔"

رسالت مآب ﷺ نے بچشم نم اسماء کی اس درخواست کو منظور فرمایا۔ ان کے واسطے دعا کی اور وہ بھی بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کے اونٹ پر سوار ہوئیں۔ اس واقعہ کی نسبت صاحب ناسخ التواریخ لکھتا ہے کہ اسماء بنت عمیس اس وقت موجود نہ تھیں۔ بلکہ یہ واقعہ سلمٰی خواہر اسماء کے ساتھ پیش آیا۔ اس موقع پر صاحب ناسخ التواریخ کا یہ قول نقل کرنا بے محل نہ ہو گا۔ کہ جس وقت رسالت مآب ﷺ نے بی بی فاطمہ کو وداع کیا ہے اور ان دونوں میاں بی بی کو نصیحت فرمائی ہے اس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ بھی فرمایا تھا۔

علی کرم اللہ وجہہ، فاطمہ سلام اللہ علیہا کی زندگی میں تم پر دوسری عورت حرام ہے۔"
ناسخ التواریخ کے اس قول سے ہم کو اتفاق نہیں۔ یہ ارشاد احکام الٰہی کے خلاف ہے اور کسی دوسری کتاب سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی۔ صحیحین اور اصابہ اس پر متفق ہیں کہ آپ نے یہ فرمایا۔
"علی کرم اللہ وجہہ، فاطمہ سلام اللہ علیہا میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ اگر تم اس کو خوش رکھو گے تو گویا مجھے خوش رکھا اور اس کو رنجیدہ کیا تو گویا مجھے رنج دیا۔"
ظاہر ہے کہ نکاح ثانی بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی زندگی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایک ایسا فعل ہوتا کہ جس سے بڑھ کر کوئی رنج شوہر کی طرف سے بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کو نہ پہنچ سکتا تھا۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی اجازت تھی اس لیے رسول اللہ ﷺ ایسے الفاظ نہ فرما سکتے تھے۔ ہم کو اس وقت فلسفۂ ازدواج پر بحث کرنا مقصود نہیں ہے۔ اس لیے ہم ناسخ التواریخ کے اس قول کو چھوڑ دیتے ہیں۔
حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا گھر اس گھر سے جہاں سے بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا رخصت ہوئیں کچھ زیادہ دور نہ تھا۔ بہت قریب ایک حجرہ تھا جہاں یہ دونوں میاں بیوی رہنے سہنے لگے۔
حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ "دوسرے روز جب ہم دونوں میاں بیوی اپنے حجرے میں بیٹھے تھے۔ دفعتہً حضور اکرم ﷺ تشریف لے آئے۔ میں اور فاطمہ دونوں تعظیم کے واسطے اٹھنے لگے تو آپ ﷺ نے منع فرمایا۔ اور ہم دونوں کو نہ اٹھنے دیا اور ہمارے بیچ میں آ کر لیٹ گئے۔ کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے تھوڑا سا پانی منگوایا اور اس پر کوئی دعا دم کی اور اس کے دو تین چھینٹے میرے اور فاطمہ سلام اللہ علیہا کے منہ پر دیئے اور فرمایا۔
"دنیا اور دنیا کی زندگی اور اس کی کل کائنات فانی ہے۔ یہاں کسی چیز کو قرار نہیں۔ بیٹی اگر تجھ کو معلوم ہو جائے وہ بات جو مجھ کو معلوم ہے تو دنیا تیری نظروں میں ہیچ ہو گی۔ فاطمہ سلام اللہ علیہا تیرا شوہر علم و حلم کے اعتبار سے تمام

اصحاب میں بہتر ہے۔ تیرا باپ اور تیرا شوہر دونوں فقیر نہیں ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کو رضامند رکھنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔'' اس کے بعد آپ ﷺ اٹھے اور مجھ کو اپنے ساتھ باہر تک لے گئے اور فرمایا۔

''علی کرم اللہ وجہہ تیری بیوی فاطمہ سلام اللہ علیہا بہترین عورتوں میں سے ہے۔ یہ میرے کلیجہ کا ٹکڑا ہے اور اس کی خوشی عین میری خوشی ہے۔''

''میری آنکھیں نیچی تھیں اور میں شرم کے مارے کچھ جواب نہ دے سکتا تھا۔'' حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔''جب تین دفعہ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا تو میں نے صرف اتنا عرض کیا۔

صدقت یا رسول اللہ ﷺ

اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ تو سچا ہے۔''

بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کا سلیقہ

اس زمانہ کے گھر آج کل کے گھروں کی طرف دری اور قالینوں سے آراستہ نہ ہو سکتے تھے۔ بالخصوص ان مسلمانوں کے جن کو دو وقت کھانا بھی مشکل سے میسر ہوتا تھا لیکن سلیقہ شعار بیویوں کا سگھڑاپا کسی حال میں چھپا نہیں رہتا۔ صاحب علل الشرائع ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک واقعہ اس طرح بیان کرتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جب دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:'' فاطمہ سلام اللہ علیہا جس طرح بہترین مخلوق اللہ ہے۔ اسی طرح بہترین گھر والی اور یہی نہیں وہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت فرض خیال کرتی ہے۔ اسی طرح میری رضامندی اور گھر کی صفائی، ستھرائی، اس کا گھر دیبا وحریر سے محروم ہے لیکن جھاڑو کی ضرورت اس میں کبھی محسوس نہیں ہوتی۔ اس کی چکی گرد وغبار کا انبار اور ہمارا بچھونا خاک کا تودہ نہیں ہوتا۔ نماز صبح سے پہلے اپنے بچھونے تہہ کر کے رکھ دیتی ہے۔ اور اپنے برتنوں کو جھاڑ پونچھ کر صاف کر لیتی ہے مجھے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوتا کہ میں کھانے کے واسطے اس توقع پر گھر جاؤں کہ کھانا تیار ہوگا اور محروم پھروں۔ اس کی ردا میں کتنے

ہی پیوند ہوں مگر وہ لاپرواہی سے چکٹ نہیں ہوتی اور اس کا تکیہ خواہ کتنا ہی بوسیدہ ہو مگر جو کی بھونسی اس پر کبھی نہیں ہوتی۔

ابو ہریرہ کی یہ روایت ثابت کر رہی ہے کہ بہتر سے بہتر سلیقہ شعار لڑکی زیادہ سے زیادہ اتنی ہی گھر کی خدمت کر سکتی ہے اور یہ ہی انتہائی سلیقہ ہے جو ایک گھر والی کو کرنا چاہیے جس کی بابتہ اس کے شوہر کی رائے اتنی اچھی ہو۔

جب غزوہ بدر کی کچھ قیدی عورتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت آئی ہیں اس موقعہ پر بی بی رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ "باہر کے تمام کام علی کرم اللہ وجہہ سے متعلق ہیں اور گھر کے کار بار میری ذات سے۔ میرے دونوں ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے گٹے پڑ گئے ہیں اگر ایک لونڈی مجھے عنایت ہو جائے تو وہ میری ایسی بہن ہو گی جو گھر کے کام کاج میں مجھ کو مدد دے۔"

آپؐ نے فرمایا۔

"فاطمہ سلام اللہ علیہا میں تجھ کو ایسی چیز بتاتا ہوں جو اس بہن سے زیادہ اچھی ہو گی اور وہ یہ کہ سبحان اللہ ۳۳ بار۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ۳۳ بار۔ اَللّٰہُ اکبر ۳۳ بار اس کے بعد لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ایک دفعہ یعنی یہ سب مل کر سو دفعہ ہو جائیں ننانویں دفعہ وہ اور ایک دفعہ یہ دن میں ایک مرتبہ پڑھ لیا کر۔ یہ تیری ایک ایسی امانت اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ رہے گی جو دنیا میں بہن سے زیادہ معین اور آخرت میں تیری مغفرت کا باعث ہو گی۔

ہم نے بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کے متعلق پچھلے موقعوں پر دو ایک واقعات سے انکار کیا ہے اور جو شان سیدۃ النساء سلام اللہ علیہا کی دکھانی ہم کو مقصود ہے اس پر اس سے یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ سیدہ خانہ داری کی تکلیف سے کیوں اکتا گئیں، جو ایک لونڈی کی طالب ہوئیں۔ مگر ہم بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کو فرشتہ نہ تسلیم کرتے ہم ان کو خاصہ لوازم بشری کے ساتھ بشر مان رہے ہیں اور اگر یہ دیکھ کر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لونڈیاں تقسیم کر رہے ہیں وہ کام کی کثرت یا تنہائی کی تکلیف

سے گھبرا کر ایک لونڈی کی طالب ہوئیں تو اس سے ان کی پاک زندگی پر کسی قسم کا بٹہ نہیں لگتا۔ کیونکہ باوجود اس کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے صریح الفاظ میں فرما دیا کہ:

"مجھ کو فاطمہ سلام اللہ علیہا نے کبھی رنج نہیں پہنچایا۔ یہاں تک کہ انتقال ہو گیا۔"

ہم کو ایسے واقعات کا پتہ بھی لگ رہا ہے کہ کبھی کبھی ان دونوں میاں بیوی میں بدمزگی ہوئی اور یہ تقاضائے بشریت تھا، ہوا، ہوتا ہے اور ہونا چاہیے تھا۔ چنانچہ صاحب علل الشرائع لکھ رہا ہے کہ "ایک روز سرور عالم ﷺ نے نماز صبح مسجد نبوی ﷺ میں پڑھی اور نماز کے بعد بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ ﷺ کے چہرہ پر کچھ آثار غم نمایاں تھے لیکن جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو چہرہ بشاش تھا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ اداس تشریف لے گئے تھے اور خوش تشریف لائے اس کی کیا وجہ ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں میں نے ان دونوں میاں بیوی میں ملاپ کرا دیا۔ کچھ شکر رنجی ہو گئی تھی۔"

اسی طرح الشرائع کے حوالہ سے ایک واقعہ کی صداقت کا ذمہ دار فقاں ہے کہ ایک موقع پر میاں بیوی کے اختلاف رائے کا علم حضور اکرم ﷺ کو ہوا۔ آپ ﷺ تشریف لے گئے۔ دونوں کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے اور معاملہ کا فیصلہ کر دیا۔

خانہ داری

طمع یعنی خانہ داری کا سامان اناج وغیرہ مہینہ دو مہینہ یا دس پندرہ روز کا درکنار دو چار روز کا بھی مشکل سے میسر ہوا۔ ہاں کبھی کبھی دو وقت کا تو البتہ آ جاتا تھا اور آتا کہاں سے۔ وہی کنواں کھودنا اور پانی پینا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مالی حالت بچپن ہی سے اچھی نہ تھی۔ عزیزوں نے ان کی پرورش کی۔ اس کے بعد

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش شفقت میں آ گئے۔ اب جو کچھ تھا، وہ یہ تھا کہ جو دن بھر کمایا شام کو لے آئے۔ بعض دفعہ یہاں تک ہوا ہے کہ آبپاشی کے واسطے کنویں سے پانی بھرا ہے۔ اور فی ڈول ایک کھجور کے حساب سے اجرت لی ہے اور وہی کھجوریں اپنا اور بیوی کا کھانا ہو گیا ہے۔ لیکن اناج مل جائے پر جو اچھی بیبیوں کا فرض ہے اس میں جناب سیدہ کی طرف سے کبھی کوتاہی نہیں ہوئی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ "ایک موقع پر مجھ کو صبح سے شام تک کچھ میسر نہ آسکا میں اور فاطمہ سلام اللہ علیہا دونوں آٹھ پہر سے بھوکے تھے۔ خیال آیا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں مگر کچھ شرم سی آئی اور نہ گیا۔ سڑک پر متحیر کھڑا تھا۔ آفتاب ڈوبنے کی تیاریاں کر رہا تھا اور مجھ کو کامل یقین ہو گیا تھا کہ یہ رات بھی مجھ پر اور میرے ساتھ رسول زادی پر فاقہ سے بسر ہو گی کہ دفعۃً کچھ اونٹ سامنے سے آتے ہوئے دکھائی دیے۔ یہ ایک تاجر کا اسباب تھا۔ میں بھی اونٹوں کے ہمراہ تھوڑی دور گیا۔ اور جب سوداگر کو اونٹوں پر اسباب اتروانے کی ضرورت ہوئی تو اس نے مجھ سے مدد دینے کو کہا۔ چنانچہ میں نے اس کا اسباب اتروایا۔ اس عرصہ میں رات تقریباً ڈھائی تین گھنٹہ جا چکی تھی۔ جب میں فارغ ہوا تو سوداگر نے مجھ کو ایک درم دیا۔ میں نہایت خوش ہوا مگر ڈر رہا تھا کہ کہیں دوکان بند ہو گئی ہوں۔ اس وقت صرف ایک جگہ سے مجھے تھوڑے سے جو میسر آسکے جو میں نے خریدے اور لپکا ہوا گھر آیا۔ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا نے خندہ پیشانی سے وہ جو میری جھولی سے لیے اسی وقت ان کو پیسا اور روٹی پکا کر میرے آگے رکھی جب میں سیر ہو چکا تو میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور کہا بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد درست ہے۔ فاطمہ سلام اللہ علیہا بہترین عورتوں میں سے ہے۔"

اسی قسم کا ایک اور واقعہ کی روایت جابر رضی اللہ عنہ سے ہے کہ "جب ایک دفعہ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ دونوں کو دو وقت سے کوئی غذا میسر نہ آئی تھی تو میں تھوڑا سا کھانا سیدہ کی خدمت میں لے کر گیا۔ اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ گھر پر موجود نہ تھے۔ سیدہ نے وہ کھانا لے لیا اتنے میں

حضرت علی کرم اللہ وجہ بھی تشریف لے آئے اور گھر میں سے ہو کر میرے پاس آ گئے۔ باتیں کرنے لگے میں نے کہا "آپ جائیے اور کھانا کھائیے" تو حضرت علی کرم اللہ وجہ نے کہا۔ "جب تک فاطمہ سلام اللہ علیہا گرم کر رہی ہے اس وقت تک میں تم سے باتیں کروں۔"

حسن بصری رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہ کا بیان ہے کہ:

"باوجود کثرت عبادت کے مجھ کو گھر کے کام دھندوں میں فاطمہ سلام اللہ علیہا سے کبھی کوئی شکایت نہ ہوئی۔ ایک دفعہ جب میں نے دیکھا کہ چکی پیستے پیستے فاطمہ سلام اللہ علیہا کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں میرا دل بھر آیا اور میں نے کہا۔ "فاطمہ سلام اللہ علیہا مشکیں ڈھوتے ڈھوتے میرے کندھے بھل شل ہو گئے۔ چلو آج ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلیں اور تم ایک لونڈی کی درخواست کرو۔" چنانچہ ہم گئے اور سیدۃ النساء سلام اللہ علیہا نے درخواست کی۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا اور فرمایا "فاطمہ سلام اللہ علیہا اس وقت مسجد میں چار سو آدمی ایسے موجود ہیں جن کے پاس کھانے کو ٹکڑا ہے نہ پہننے کو چیتھڑا۔ گھر کا کام خود انجام دے اور بیوی ہونے کی فضیلت کو قائم رکھ ایسا نہ ہو کل قیامت کے روز علی کرم اللہ وجہ تجھ سے اپنا حق طلب کرے۔"

بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کا ایثار

سیدہ سلام اللہ علیہا کے ایثار پر بحث کرتے ہوئے ہمارا کلیجہ شق ہوتا ہے۔ یہ پاک روحیں جن کے جسد خاکی آج خاک عرب میں آرام فرما رہے ہیں، انسانی دنیا کے واسطے بھی فرشتۂ رحمت تھیں۔ جن کی زندگیاں دوسروں کے واسطے بھی نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئیں۔ ان کا ہر فعل وہ سدا بہار پھول ہے۔ جس کو خزاں کبھی مرجھا نہیں سکتی۔ دنیا بدل جائے۔ آسمان لاکھوں چکر کھائے۔ مگر ان کے کارنامے ہماری آنکھوں سے چھپنے والے نہیں۔ بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کا یہ درخشندہ جوہر جو سرزمین عرب سے اٹھ کر بساط دنیا پر قمر چاردہم کی طرح جگمگایا اور رسولؐ عرب کی یہ پیاری

بچی جو آسمان حیات پر ایک ایسے لال کی طرح چمکی جس کی روشنی آج تک تمام دنیا کو منور کر رہی ہے۔ جس کا ماں کے تمول نے مزاج نہ بگاڑا اور باپ کے افلاس نے تیوری پر بل نہ آنے دیا۔ چاہیے تھا کہ ابتدائی پرورش اور دولت کے ناز و نعم کے بعد عسرت کو تکلیف سمجھتی۔ مطلق نہیں۔ وہ وقت خوشی سے اور یہ دن شکر میں بسر کر دیئے اور ثابت کر دیا کہ ؂

نہ غم آورد نقصانے نہ شادی داد سامانے
بہ پیش ہمت ما ہر کہ آمد بود مہمانے

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جماعت نبی سلیم میں سے شخص ایک دفعہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آواز دی "یا محمد یا محمد" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ اس نے کہا کہ "کیا وہ جادوگر تو ہی ہے۔ جس کی بابت یہ مشہور ہے کہ سایہ نہیں پڑتا۔ مجھے اپنے بتوں کی قسم اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ میری قوم خوش نہ ہوگی تو اس تلوار سے گردن اڑا دیتا۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر آگے بڑھے کہ اس کی گستاخی کا جواب دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اس سے کہا۔ "میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور اس کا پیغام پہنچانے والا۔ اے بھائی عذاب آخرت سے ڈر اور دوزخ کی آگ کا خوف کر۔ پرستش کر اس ایک اللہ تعالیٰ کی جس کا کوئی شریک نہیں۔"

اس گفتگو کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ اعرابی ایمان لے آیا اور مسلمان ہو گیا۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت اصحاب سے کہا کہ "اس کو کچھ آیتیں قرآن پاک کی سکھا دو۔" جب وہ سیکھ چکا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تیرے پاس کس قدر مال ہے؟" اس نے کہا۔ "قسم ہے اس پاک ذات کی جس نے تجھ کو پیغمبر بنا کر بھیجا کہ ہم چار ہزار آدمی قبیلہ سلیم میں ہیں لیکن مجھ سے زیادہ فقیر کوئی نہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب رضی اللہ عنہم کی طرف دیکھا اور فرمایا "تم میں سے کون ہے جو اس کو ایک اونٹ خرید دے میں ضامن ہوتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس سے بہتر بدلہ دے گا۔" سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اٹھے اور کہا "اے اللہ تعالیٰ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پاس ایک اونٹنی ہے جو میں اس کو دیتا ہوں۔" اس کے بعد سرور

کائنات ﷺ نے فرمایا۔ ''اب تم میں سے کون ہے کہ اس کا سر ڈھانک دے۔ اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرے۔'' حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اٹھ کر کہا۔ ''میرے ماں باپ فدا یہ تعمیل میں کروں گا۔'' اپنا عمامہ اتار کر اعرابی کے سر پر رکھ دیا۔ اب آپ ﷺ نے فرمایا ''کون ہے جو اس کو خوراک وغیرہ کا سامان دے۔''

سلمانؓ اٹھے اور اعرابی کو ساتھ لے کر نکلے۔ سب گھروں پر گئے۔ کوئی چیز موجود نہ تھی۔ حالت یاس میں نگاہ حضرت سیدۃ النساء سلام اللہ علیہا کے حجرہ پر پڑی اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ سیدہ نے دریافت کیا ''کون ہے؟'' جواب دیا ''میں ہوں سلمان فارسی'' پوچھا ''کیوں آئے ہو؟'' سلمان نے پورا واقعہ بیان کرنے کے بعد کہا کہ ''اعرابی کے واسطے کھانے پینے کا سامان جمع کرنے نکلا ہوں۔ سب گھروں پر ہو آیا۔ کوئی چیز موجود نہیں۔ طاہرہ، زاکیہ، راضیہ، سیدہ النساء فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا یہ سن کر روئیں اور فرمایا۔

''سلمان قسم ہے اس اللہ تعالیٰ کی جس نے میرے باپ کو پیغمبر ﷺ کیا۔ آج تیسرا روز ہے ہم سب فاقہ سے ہیں دونوں بچے حسن اور حسین پریشان پھر رہے تھے۔ ابھی ابھی بھوکے سوئے ہیں لیکن سائل دروازہ پر آ گیا رد نہیں کر سکتی۔ اے سلمان یہ ایک چادر موجود ہے لے اور شمعون یہودی کے پاس جا اور کہہ کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا، محمد ﷺ کی بیٹی کی یہ چادر رکھ لے اور تھوڑی سی جنس قرض دے دے۔''

سلمانؓ اعرابی کو لے کر شمعون کے پاس آئے اور مفصل کیفیت بیان کی۔ یہودی کچھ دیر تک چادر دیکھتا رہا۔ دفعۃً اس پر ایک خاص کیفیت طاری ہوئی اور کہنے لگا۔

''اے سلمان یہ وہ لوگ ہیں جن کی خبر ہمارے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام نے توریت میں دی۔ میں فاطمہ کے باپ پر ایمان لایا اور سچے دل سے مسلمان ہوتا ہوں۔''

اس کے بعد اناج سلمان کو دیا۔ اور وہ لے کر حضرت سیدۃ النساء سلام اللہ علیہا کے پاس آئے آپ نے اپنے ہاتھ سے پیسا۔ روٹی پکائی اور سلمان کو دی۔ سلمان نے کہا تھوڑی سی روٹی بچوں کے لیے لے لیجیے۔ فرمایا ''سلمان اللہ تعالیٰ کی

راہ پر دے چکی۔ اب بچوں کے لیے لینا مناسب نہیں۔" سلمان وہ روٹی لے کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام کیفیت بیان کی۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ روٹی اعرابی کو دی اور سیدۃ النساء کے پاس تشریف لائے۔ چہرہ اداس دیکھا۔ دریافت کیا۔ معلوم ہوا کھانا کھائے تیسرا روز ہے۔ حضرت نے سیدۃ النساء سلام اللہ علیہا کو اپنے پاس بٹھایا۔ آسمان کی طرف دیکھا اور دعا کی۔

"الٰہی فاطمہ سلام اللہ علیہا تیری لونڈی ہے۔ اس سے راضی رہیو۔"

جابر بن عبداللہ انصاریؓ کہتے ہیں کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز عصر ہمارے ساتھ پڑھی۔ جب ہم نماز پڑھ چکے تو مسجد میں بیٹھ گئے۔ دفعتہً ایک شخص جو نہایت مفلس اور فقیر معلوم ہوتا تھا اندر داخل ہوا۔ بڈھا تھا اور مشکل سے چل سکتا تھا۔ بڑی دقت سے پاس آیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے دریافت کیا کہ "کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔"

بڈھے نے اپنی لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں رک رک کر کہا۔ "اے پیغمبر بڈھا ہوں ہاتھ پاؤں جواب دے چکے۔ محنت مزدوری کے قابل نہیں۔ کوئی عزیز یا دوست اتنا نہیں جو اس آڑے وقت میں سلوک کر سکے۔ بھوکا ہوں کھانا کھلا اور کئی وقت سے ہوں پیٹ بھر کر دے۔ ننگا ہوں بدن ڈھانک۔ مفلس ہوں کچھ خرچ دے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ دیر غور فرما کر جواب دیا اس وقت کچھ موجود نہیں ہے مگر میں تجھ کو ایک ایسے شخص کے پاس بھیجتا ہوں جو خدا کو پیارا سمجھتا ہے۔ وہ تیری مشکل میں کام آنے کی کوشش کرے گا۔"

یہ فرما کر بلال رضی اللہ عنہ کو پاس بلایا اور حکم دیا کہ اس کو فاطمہ سلام اللہ علیہا کے پاس لے جاؤ۔ چنانچہ بلال رضی اللہ عنہ مع عرب کے سیدہ کے پاس آئے اور آواز دی۔ سیدہ نے دریافت کیا کون ہے؟ سائل نے کہا۔ "میں ایک اعرابی ہوں۔ مفلسی کی وجہ سے گھر سے نکلا اور سید البشر کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لڑکی بھوکا ہوں پیٹ بھر۔ ننگا ہوں بدن ڈھانک۔ مفلس ہوں خرچ دے۔ رسول زادی مجھ پر رحم کر خدا تجھ پر رحم کرے گا۔"

سیدۃ النساء کی مالی حالت جس کا اوپر بیان ہوا ایسی نہ تھی کہ ان کے پاس ہر وقت کھانا موجود رہتا۔ اتفاق سے اس روز بھی کچھ نہ تھا مگر سائل اپنی درخواست ختم کر چکا تو انہیں مینڈھے کی ایک کھال دکھائی دی جس پر بچے سوتے تھے۔ اٹھائی اور لا کر سائل کو دی اور کہا "خدا تجھ پر رحم کرے اور اس سے بہتر دے۔" سائل نے کھال لے لی۔ مگر بھوک سے پریشان تھا۔ کہنے لگا۔ "پیغمبر زادی میں بھوک کی شکایت پہلے لے کر آیا ہوں۔ اس کے بعد لباس کی۔ میری پہلی شکایت کو رفع کر۔ جب تک پیٹ نہ بھرے میں اس کھال کا کیا کروں گا۔" آج اتفاق سے حمزہ بن عبدالمطلب کی بیٹی کی ایک کنٹھی بھیجی ہوئی۔ گلے میں پڑی تھی وہ اتار دی اور اس کو دے کر کہا۔ "اس کو فروخت کر اور اپنی ضرورتیں رفع کر لے۔" سائل خوش ہوتا ہوا باہر نکلا۔ کنٹھی بیچی۔ کھانا کھایا اور مسجد میں آ کر دعا دی کہ:

"الٰہی۔ فاطمہ سلام اللہ علیہا، محمد ﷺ کی بیٹی پر اس طرح رحم کیجیو، جس طرح اس نے تیرے ایک بندے پر کیا۔"

رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا سنی اور جب سائل یہ دعا ختم کر چکا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ "آمین۔"

صاحب علل الشرائع امام حسن رضی اللہ عنہ کے الفاظ اس طرح پر ایک موقع پر نقل کر رہا ہے۔

"اور یہ انتہائے ایثار ہے۔ میں نے اکثر نماز عشاء کے بعد اپنی محترم والدہ کو نماز صبح تک عبادت میں دیکھا۔ وہ گریہ وزاری میں مصروف رہتی تھیں اور خوف خدا سے اس قدر روتی تھیں کہ ہچکی بندھ جاتی تھی۔ روتی تھیں اور دعا کرتی تھیں مگر میں نے کبھی نہیں سنا کہ انہوں نے اپنے واسطے کوئی دعا کی ہو۔ ان کی تمام دعائیں مخلوق خدا کے واسطے ہوتی تھیں۔ وہ اپنے مال اور کھانے پینے ہی سے بندگان خدا کی خدمت نہ کرتی تھیں بلکہ دعا اور التجا میں بھی ان کا حصہ ہمیشہ اپنے سے زیادہ رکھا۔ صرف ہمارے باپ علی کرم اللہ وجہہ اور ہم بچوں کے واسطے دعا ضرور ہوتی تھی مگر اپنی ذات کے واسطے سوائے رضامندی باری تعالیٰ کے میں نے ان کی

خواہش کبھی معلوم نہ کی۔"

صاحب ناسخ التواریخ ایک واقعہ نقل کرتا ہے کہ ایک موقع پر جب کامل ایک دن اور ایک رات اسی طرح بسر ہو گیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کو کہیں سے کچھ میسر نہ ہو سکا، تو آپ دوسرے روز سہ پہر کے وقت کچھ سامان لائے۔ سیدۃ النساء نے جلدی جلدی کھانا تیار کیا۔ جب کھانا تیار ہو چکا تو سیدۃ النساء نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کے واسطے کھانا نکال کر علیحدہ رکھا اور اپنا حصہ الگ کیا۔ اتنے میں ایک فقیر نے آ کر صدا دی اور کہا۔ "سیدہ میں بھوکا ہوں اور اب تیسرے وقت بھیک مانگنے نکلا ہوں۔ آنکھیں نہیں ہیں کہ روٹی کما سکوں۔ لنگڑا ہوں اچھی طرح چل پھر نہیں سکتا۔"

بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا نے سائل کی یہ صدا سنی اور وہ کھانا جو اپنے واسطے رکھا تھا اٹھایا اور یہ آیت پڑھتی ہوئی دروازے تک آئیں۔ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا اور سب کھانا اس فقیر کو دے دیا۔

شوہر کی عظمت

صاحب علل الشرائع حضرت علی کرم اللہ وجہ کے حوالہ سے ان کے الفاظ یوں نقل کرتا ہے۔ باوجود انتہائے عبادت و ریاضت کے سب سے زیادہ تعجب انگیز بات جو میں نے فاطمہ سلام اللہ علیہا میں دیکھی وہ یہ تھی کہ اس نے کبھی میرے حق میں ذرہ بھر فرق نہ آنے دیا۔ وہ رات بھر عبادت میں مصروف رہتیں لیکن گھر میں اگر اناج موجود ہوتا تو کبھی ایسا نہیں ہوا کہ وقت سے پہلے کھانا تیار نہ ہو گیا ہو۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سیدہ بیمار تھیں۔ ابھی تیمم کی آیت نہ اتری تھی کہ اسی حالت میں انہوں نے وضو کیا اور نماز کو کھڑی ہو گئیں۔ مجھ کو اس رات نیند نہ آئی۔ یہاں تک کہ مؤذن نے صبح کی اذان دے دی اور میں نماز کو چلا گیا۔ واپس آ کر دیکھا تو سیدہ نماز سے فارغ ہو کر چکی پیس رہی تھیں۔ میں نے کہا "اے بنت رسول ﷺ تھوڑی دیر آرام لے لو۔ ایسا نہ ہو کہ مرض اور زیادہ ترقی کر جائے۔" انہوں نے

مسکرا کر کہا۔ ''دونوں کام ایسے نہیں کہ مرض کو ترقی دیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تمہاری خدمت مرض کا بہترین علاج ہے۔ اور اگر ان دونوں میں سے کوئی وجہ موت ہو تو اس سے بہتر اور کیا موت ہو سکتی ہے۔''

ایک موقعہ پر جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف رکھتے تھے امام حسن رضی اللہ عنہ آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت خاموشی سے کچھ عرض کیا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر ان کے ساتھ ہو لیے اور سیدہ کے گھر میں تشریف لا کر دیکھا تو دونوں میاں بیوی خاموش تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا۔ ''علی خاموش کیوں ہو۔'' حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ ''میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان فاطمہ سلام اللہ علیہا مجھ سے اس لیے ناخوش ہیں کہ میں یامین یہودی کے پاس اس لیے جانا پسند نہیں کرتا کہ اس کا طرز سخن خوش اصلوب نہیں اور اس کے مقابلہ میں تکلیف اور فاقہ، راحت اور سیری سے بہتر ہے۔'' سیدہ چند لمحہ خاموش رہیں اور کہا۔ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں علی کرم اللہ وجہہ سے ناخوش کبھی نہیں ہوئی اور نہ میں ان سے ناخوش ہو سکتی ہوں۔ ہاں میرا یہ خیال ضرور ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے اور یامین کی باتوں پر دھیان نہ دھرنا چاہیے۔''

سیدۃ النساء سلام اللہ علیہا کے یہ الفاظ کہ ''نہ میں کبھی ناخوش ہوئی اور نہ ہو سکتی ہوں۔'' اس بات کے کافی ثبوت ہیں کہ سیدالنساء کے دل میں شوہر کی عظمت حد سے زیادہ تھی اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی رضامندی ان کی زندگی کا عین مقصد تھا۔ اسی طرح شوہر کی رضامندی زندگی کا اول فرض۔

عبادت

سیدہ کی عبادت ان ہی واقعات سے جو اوپر لکھے گئے ہیں اچھی طرح معلوم ہو سکتی ہے کہ کس درجہ بڑھی ہوئی تھی مگر ملا حسن شیرازی لکھتا ہے کہ خانہ داری شوہر کی خدمت۔ بچوں کی پرورش وغیرہ سے جس قدر وقت بچتا تھا۔ اس کا بڑا حصہ اللہ

تعالیٰ کی یاد میں بسر کرتی تھیں اور یہ ذکر اس حد تک ترقی کر گیا تھا کہ وہ دنیاوی کاموں میں بھی زبان پر جاری رہتا تھا۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالہ سے علل الشرائع کا مصنف لکھتا ہے کہ "ایک موقعہ پر جب وہ گھر میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ سیدہ چکی پیس رہی ہیں گود میں امام حسن رضی اللہ عنہ لیٹے دودھ پی رہے ہیں اور زبان سے کلام اللہ پڑھ رہی ہیں۔"

جابر رضی اللہ عنہ انصاری کا بیان ہے کہ ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کے ہاں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ان کے جسم پر اونٹ کی کھال کا ایک لباس ہے۔ جس میں تیرہ پیوند ہیں۔ وہ آٹا گوندھ رہی تھیں اور کلام اللہ زبان پر جاری تھا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ سے اس وقت آنسو ٹپک پڑے اور فرمایا۔

"فاطمہ سلام اللہ علیہا دنیا کی تکلیفوں کا صبر سے خاتمہ کر اور آخرت کی خوشی کا انتظار کر۔"

ابو ہریرہؓ ایک موقعہ کا ذکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالہ سے اس طرح بیان کرتے ہیں کہ عید کا روز تھا اور امام حسنؓ دوسرے بچوں کو کپڑے پہنے دیکھ کر رنجیدہ ہوئے اور ماں سے آ کر کہا کہ "جب تک ہمارے کپڑے اجلے اور اچھے نہ ہوں گے ہم عید گاہ نہ جائیں گے۔" سیدہ نے بچہ کو گود میں لیا، پیار کیا اور کہا۔ "یہ کپڑے میلے ہونے والے ہیں اور پھٹ جانے والے ہیں۔ تمہارے کپڑے تمہارے اللہ تعالیٰ کے پاس ایسے موجود ہیں کہ جن سے بہتر کوئی کپڑا نہیں ہو سکتا اور تمہاری امانت موجود ہے اللہ تعالیٰ کی مرضی پر راضی رہو۔ وہاں جا کر سب کچھ پہن اوڑھ لینا۔ سیدہ کے الفاظ کچھ ایسے دل نشیں ہوئے کہ امام حسنؓ کا تمام رنج جاتا رہا۔

امام حسن بصری کی ایک روایت ایسی موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ عشاء کے بعد اکثر صبح تک اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہتی تھیں اور اس کے بعد اس کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ سیدہ کی عبادت پر زیادہ بحث کریں۔

خلق

شمعون یہودی جو بی بی سیدہ کا ہمسایہ تھا اور جس نے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو تکلیف پہنچانے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا اور جب مسلمان ہو چکا اور اس کا تمام کاروبار بگڑ گیا تو یہودیوں نے اس کے اسلام کی وجہ سے قطعاً ملنا جلنا ترک کر دیا۔ مفلس تھا۔ اس لیے زیادہ تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔ باوجود یکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس سے بہت کچھ اذیتیں پہنچی تھیں۔ مگر جب اس کی بیوی مری اور کسی کو اتنا نصیب نہ ہوا کہ میت پر بیٹھ کر دو آنسو گرا لیتا تو رات کی تاریکی اور تنہائی میں بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا یہ خبر سنتے ہی اس کے تمام رنج بھول گئیں۔ اور اپنی ردا سر پر ڈال اس کے ہاں چلی گئیں اور اپنے ہاتھ سے نہلا دھلا اس کی میت تیار کی۔

خصائل

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ نے بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا سے پوچھا کہ "عورت کی بہترین صفت کیا ہے۔" اور یہ وہ سوال تھا جو رسول اللہ ﷺ نے اکثر عورتوں سے کیا۔ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا نے جواب دیا کہ "وہ کسی مرد کے دیکھنے کی کوشش نہ کرے اور یہ کوشش کرے کہ کوئی نامحرم اسے دیکھنے نہ پائے۔

سرور کائنات ﷺ نے بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کو گلے سے لگا لیا۔

فاطمہ سلام اللہ علیہا بنت اسد کی چچا زاد بہن حفصہ جو عمر میں بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا سے بڑی تھیں اکثر آیا کرتی تھیں۔ ایک روز جب وہ بیمار تھیں نہ آ سکیں اور اپنی علالت کا حال حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زبانی کہلا بھیجا، خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہہ رہے ہیں کہ یہ خبر سنتے ہی فاطمہ سلام اللہ علیہا سخت بے چین ہو گئیں اور ان کی عیادت کو گئیں۔ مرض ترقی کر گیا تھا۔ یہاں تک کہ اسی میں موت ہوئی۔ مگر میں نے دیکھا کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا جب گھر کی ضرورتوں سے مجبور ہو کر

ان کو چھوڑ کر آتیں تو ان کا دل مطلق نہ لگتا اور جس قدر جلد ہوتا گھر کی ضرورتوں سے فارغ ہو کر وہاں پہنچ جاتیں۔ ان کا مکان ہم سے دور تھا۔ مگر فاطمہ نہایت خوشی سے اس مسافت کو دن میں دو مرتبہ طے کر لیتی تھیں۔

بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کے انتقال کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہ سے سوال کیا گیا کہ "بنت الرسول ﷺ کیسی بیوی تھیں؟" تو آپ نے فرمایا۔

"وہ پھول جس کی خوشبو مرجھانے کے بعد بھی میرے دماغ کو معطر کر رہی ہے۔"

بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کے اس خلق و محبت کا یہ نتیجہ تھا کہ دور دور کے لوگ ان سے ملنے آتے۔ تمام مدینہ منورہ پر ان کا خاص اثر تھا۔ بڑے بڑے پیچیدہ معاملوں میں یہ لوگ ان سے مشورہ لیتے اور مدینہ کی اکثر عورتیں ان کی خدمت میں حاضر رہا کرتیں۔

ہمدردی کا مادہ کوٹ کوٹ کر قدرت نے ان کی سرشت میں بھرا تھا اور یہی تھی وہ وجہ جس نے بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کو مدینہ بھر میں ہر دلعزیز بنا دیا۔ یہ تو ایک عام عادت تھی۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "ہماری ماں نے کبھی ہم سے یا ہمارے باپ سے پہلے کھانا نہیں کھایا" مگر صاحب علل الشرائع لکھتا ہے کہ "وہ کھانے سے پہلے ہمسایہ کی حالت دیکھ لیتی تھیں۔ اور اگر کوئی فاقہ زدہ معلوم ہو جاتا تھا تو پہلے اس کو کھلا دیتی تھیں اور پھر خود کھاتی تھیں" ان باتوں کا ایسا اثر ہوا کہ سارا مدینہ منورہ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کا کلمہ پڑھنے لگا۔ کچھ مسلمانوں ہی پر موقوف نہ تھا۔ غیر مسلم عورتیں بھی جو اسلام سے جلتی تھیں۔ ان کی دلسوزی اور ایثار کی معترف تھیں۔

ایک دفعہ ایک یہودی کی لڑکی تھوڑا سا حلوہ سیدہ کے واسطے لائی یہ مذہب سے گو غیر تھی مگر بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کے خلق کی گرویدہ تھی۔ اور جب موقع ملتا آ نکلتی اور باتیں سنا کرتی تھی اسلام کا اثر اس کے دل پر ہو چکا تھا۔ اور خفیہ طور سے اسلام بھی قبول کر چکی تھی۔ مگر ماں باپ کے ڈر سے اعلان نہ کر سکتی تھی بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا نے یہ سمجھ کر کہ اگر واپس کرتی ہوں تو اس کی دل شکنی ہو گی اور صرف

میں لاتی ہوں تو یہودی کا مال ہے۔ نہ معلوم جائز پیسہ سے پکایا گیا ہے یا نا جائز سے، اپنے صرف میں لانا پسند نہ کیا۔ ملا حسن شیرازی کہتے ہیں فضہ نے جب یہ حقیقت معلوم کر لی تو صلاح دی کہ کسی سائل کو دیجیے۔ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا ''فضہ کیا کہا۔ جو چیز ہم اپنے واسطے پسند نہ کریں وہ اللہ تعالیٰ کے واسطے کیونکر پسند کر سکتے ہیں۔ خبردار آئندہ ایسا خیال نہ کرنا۔ جاؤ اور کسی یہودی کو تلاش کر کے یہ طباق اس کو دے دو۔''

یہی لڑکی ایک دفعہ کچھ دینار کچھ درم لے کر آئی اور چاہا کہ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا قبول کر لیں۔ مگر آپ رضی اللہ عنہا نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ یہ تمہاری ملکیت نہیں تمہارے باپ کی ہے اگر تم با اجازت لائیں تو وہ اسلام کا دشمن ہے ہرگز اس کو روانہ رکھے گا کہ اس کی کمائی اسلام پر صرف ہو۔ اور اگر بلا اجازت لائیں تو چوری ہوگئی لے جاؤ اور واپس کر دو۔ دیکھو آئندہ ایسا نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز کا محتاج نہیں۔ وہ صرف نیت دیکھنے والا ہے۔ اگر تمہارے پاس کچھ نہیں ہے تو اس کی پرواہ نہ کرو مگر اس کے احکام پر کاربند اور اس کی مشیت پر راضی رہو۔''

جس وقت کلام اللہ میں عذاب دوزخ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے وان جھنم لموعدھم اجمعین۔ تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم شدت سے روئے اور اتنا روئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت دیکھ کر محبت کی وجہ سے اکثر اصحابؓ رونے لگے۔ چونکہ کسی کو گریہ آنحضرتؐ کا سبب معلوم نہ تھا۔ اس لیے سب خاموش تھے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت تھی کہ سیدۃ النساء سلام اللہ علیہا کی صورت دیکھ کر ہمیشہ خوش ہوتے تھے۔ لوگوں نے تجویز کی کہ کسی طرح اس پاک بی بی کو بلا کر لائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رنج وغم اور یہ رونا کم ہو اور خیالات بدل جائیں۔ سب مل کر حضرت سیدۃ النساء کے دروازے پر آئے۔ سلمان اندر گئے تو دیکھا وہ مقدس بی بی چکی پیس رہی ہے اور ایک آیت پڑھ رہی ہے۔ مفصل کیفیت بیان کی اور درخواست کی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلیں۔ سیدۃ النساء یہ سن کر اٹھیں اور ایک کمبل اوڑھا جس میں بارہ سے زیادہ پیوند تھے۔ سلمان کا یہ حال دیکھ کر دل

بھر آیا اور کہا۔ "قیصر و کسریٰ ریشم و حریر کا لباس پہنیں اور پیغمبر آخر الزماںؐ کی بیٹی کے لباس میں اتنے پیوند ہوں۔" یہ کہتے تھے اور روتے تھے۔ جس وقت رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں سب حاضر ہوئے تو سیدۃ النساء سلام اللہ علیہا نے واقعہ بیان کیا کہ "میں چکی پیستی جاتی اور یہ آیت پڑھتی جاتی تھی۔ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی پورے پانچ برس ہو گئے کہ میرے خاوند کے پاس بکری کی کھال کے سوا کوئی چیز بچھانے کو نہیں ہے۔" رسالت مآب ﷺ نے یہ سن کر فرمایا "فاطمہ سلام اللہ علیہا میری بیٹی کے صبر کا بدلہ اللہ تعالیٰ کے پاس امانت ہے۔" اس کے بعد سیدۃ النساء نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ "اے باپ! کس چیز نے آپ ﷺ کو اس قدر رلایا ہے۔" رسالت مآب ﷺ نے وہ آیت سنائی سنتے ہی سیدۃ النساء خوف اللہ تعالیٰ سے گر پڑیں۔ بار بار اس آیت کو پڑھتی رہیں اور روتی رہیں۔

شفقت پدری

سیر کی تمام کتابیں اس پر متفق ہیں کہ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا رفتار میں، گفتار میں، عادات اطوار میں سب سے زیادہ رسول اکرم ﷺ سے مشابہ تھیں۔ خود رسالت مآب ﷺ ان کی عزت کرتے تھے۔ بعض مورخین یہاں تک بیان کر رہے ہیں کہ جب وہ تشریف لاتی تھیں۔ آپ کھڑے ہو جاتے تھے اور ان کا ہاتھ پکڑ کے اپنے پاس بٹھاتے تھے۔ چنانچہ "صحیحین" میں ابن عباسؓ سے ایک روایت اس طرح ہے کہ جب "امہات المومنینؓ" نے جمع ہو کر یہ بات تجویز کی کہ بیویوں کی باری کے متعلق رسالت مآب ﷺ سے کچھ عرض کریں تو سب نے مل کر ام سلمہؓ کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ مگر وہ جب ناکام آئیں تو بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا سے درخواست کی کہ وہ جا کر تصفیہ کر دیں۔ جب بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا گئیں تو رسالت مآب ﷺ نے بوسہ دیا۔ اور فرمایا "بیٹی کیا تو اس چیز کو پسند نہ کرے گی، جس کو میں عزیز سمجھتا ہوں۔" بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا۔ "میں اسے عزیز رکھوں گی۔" اتنا سنتے ہی رسالت مآب ﷺ نے بی بی فاطمہ سلام

اللہ علیہا کو گلے سے لگا لیا۔

بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی فضیلت کی وجوہ جو کچھ بھی ہوں مگر اس میں شک نہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ کو ان سے ایک خاص شغف تھا۔ اور چند روز کی مفارقت میں بے چین ہو جاتے تھے۔ اسی لیے جب سفر سے واپس تشریف لائے تو سب سے پہلے بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کے ہاں جا کر ان کو دیکھ لیتے اور ان کی خیریت معلوم کرنے کے بعد اور گھروں میں تشریف لے جاتے اور ہمیشہ یہ فرماتے۔

''فاطمہ سلام اللہ علیہا میرے جگر کا ٹکڑا ہے جو اس کو دوست رکھے گا وہ مجھ کو دوست رکھے گا۔''

علی الشرائع کا مصنف لکھتا ہے آپؐ نے فرمایا:

''کوئی عورت اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہو گی جب تک فاطمہ سلام اللہ علیہا نہ داخل ہو جائے۔''

احد کی مشہور لڑائی میں سرور عالم ﷺ سخت زخمی ہوئے اور مسلمانوں کو آپ ﷺ کی جانبرداری کی کوئی امید نہ رہی۔ مدینہ منورہ میں آپ کی خبر ﷺ شہادت مشہور ہو گئی۔ اس وقت جو مسلمان عورتیں اپنے رسول ﷺ کی محبت میں بے تاب ہو کر گھر سے باہر نکلیں اور موقعہ پر آئیں ان میں جگر گوشہ رسول ﷺ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا بھی تھیں۔ یہ سن کر کہ آپ ﷺ زندہ ہیں مگر زخموں سے نڈھال اور بے ہوش، دیوانہ وار خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔ دیکھا کہ سرور کائنات ﷺ زخموں کی تکلیف سے بے ہوش پڑے ہیں۔ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا نے آپ ﷺ کا سر مبارک اٹھا کر اپنی گود میں رکھا اور بے چین ہو گئیں۔ آنکھ سے زار وقطار آنسوؤں کی جھڑیاں بہہ رہی تھیں اور سرور عالم ﷺ کے جسم مبارک سے خون رواں تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس موقعہ پر پانی بھر کر لائے اور بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا نے تمام زخموں کو اپنے ہاتھ سے دھویا۔ جب تمام جسم اور چہرہ دھو کر صاف کر لیا تو بوریا جلا کر اس کی راکھ زخموں پر چھڑکی اور پٹیاں باندھیں۔ اس

بیماری کی تکلیف میں سیدہ نے اس قدر رسول اکرم ﷺ کی تیمارداری اور خدمت کی کہ اپنے تمام آرام آسائش کو رسول اکرم ﷺ پر سے قربان کر دیا۔ جب سرور کائنات ﷺ نے غسل صحت فرمالیا ہے تو بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا اپنے گھر گئیں۔ ورنہ اس تمام عرصہ میں ایک لحہ کو بھی سرور عالم ﷺ کو تنہا نہ چھوڑا۔

اس واقعہ کے چند روز بعد رسول اکرم ﷺ دوبارہ بیمار پڑے اور اس موقعہ پر بھی بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا نے ویسی ہی تیمارداری کی۔ مختصر یہ ہے کہ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کو رسول اللہ ﷺ سے اور رسول اللہ ﷺ کو سیدہ سے محبت نہیں ایک عشق تھا اور جس طرح رسول اللہ ﷺ ان کے بغیر بے چین ہو جاتے تھے اسی طرح وہ بھی رسالت مآب ﷺ کی جدائی سے بے تاب ہو جاتی تھیں۔ ایک موقع پر حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ ''تم نے ہم کو بھی دیکھا ہے۔ '' حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سوال سے متعجب ہوئے تھوڑی دیر تامل فرمایا تو رسالت مآب ﷺ نے پھر وہی سوال کیا کہ ''علی کرم اللہ وجہہ تم نے کبھی ہم کو دیکھا ہے۔'' حضرت علی کرم اللہ وجہہ متعجب تھے۔ پھر سہ بارہ رسول اللہ ﷺ نے یہی فرمایا۔ تو عرض کرنے لگے۔ ''روحی فداک یا رسول اللہ ﷺ میں نے اچھی طرح دیکھا ہے۔ غزوہ بدر میں۔ جنگ حنین میں۔ غرض بڑے بڑے موقعوں پر آپ ﷺ کی دلیری، شجاعت دیکھ چکا ہوں۔ نبوت کی نشانیاں میں نے دیکھیں۔ خلق رسول اللہ ﷺ میں نے دیکھا کرم، رحم، انصاف ہر چیز دیکھی۔ یا رسول اللہ ﷺ میں ہر وقت حاضر رکاب رہتا ہوں اور اس وقت بھی چہرۂ اقدس کی زیارت کر رہا ہوں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''نہیں علی کرم اللہ وجہہ تم نے ہم کو نہیں دیکھا۔''

اتنا سنتے ہی علی کرم اللہ وجہہ پر ایک خاص حالت طاری ہوگئی۔ وہ اس قدر رنجیدہ اور متاثر ہوئے کہ بخار چڑھ آیا کانپتے ہوئے گھر آئے اور مفصل کیفیت بیان کی۔ سیدہ نے اس کیفیت کو سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کمبل اڑھا دیا۔ اور رسول اللہ ﷺ کو بلا بھیجا۔ رسول اکرم ﷺ تشریف لائے تو بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے آج علی کرم اللہ وجہہ کا دل توڑ دیا۔

آپ ﷺ علی رضی اللہ عنہا کو اپنا جمال دکھا دیجیے کہ تسکین ہو اور یہ تکلیف کم ہو۔"
رسالت مآب ﷺ نے فرمایا۔ "علی کرم اللہ وجہہ اٹھو" اور اپنا دست مبارک سیدۃ النساء سلام اللہ علیہا کے کندھے پر رکھ کے فرمایا۔ "علی کرم اللہ وجہہ آؤ مجھے دیکھو۔" حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بخار شدت کا تھا۔ اس وقت رسالت مآب ﷺ کے چہرہ میں ایسی چمک دمک دیکھی کہ گر پڑے۔

مورخین بالاتفاق اس موقعہ پر لکھتے ہیں کہ جناب سیدہ کی خاطر اتنی رسول اکرم ﷺ کو منظور تھی کہ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی درخواست رد نہ فرمائی اور یہ طیب خاطر منظور کر لی۔

صاحب ناسخ التواریخ ایک واقعہ ان الفاظ میں نقل کرتا ہے۔ جناب رسالت مآب ﷺ نے دو وقت سے کھانا نہ کھایا تھا۔ اتفاق سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہا کو یہ علم ہوا اور وہ تھوڑا سا کھانا خدمت اقدس میں لے کر حاضر ہوئے۔ آپؐ نے کھانا لے لیا۔ مگر تناول نہ فرمایا۔ جابر انصاریؓ بھی حضور ﷺ کی بھوک سے واقف تھے۔ کچھ کھانا لائے آپ ﷺ نے وہ بھی لے لیا اور نہ کھایا۔ اس وقت جناب سیدہ مسجد نبوی میں حاضر ہوئیں۔ کھانا ساتھ تھا۔ روئیں اور عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ آج دو وقت کے بعد یہ تھوڑا سا کھانا میسر آیا ہے علی کرم اللہ وجہہ سیر ہو چکے ہیں۔ اگر آپ ﷺ شرکت فرمالیں تو میں بھی پیٹ بھر لوں۔" رسالت مآب ﷺ نے بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی پیشانی کو فرط شفقت سے بوسہ دیا اور کھانا تناول فرمالیا۔

یہی مورخ لکھتا ہے۔ جب مغیرہ نے یہ درخواست کی ہے کہ سرور کائنات ﷺ اپنے جسم مبارک کا پھٹا ہوا کرتہ مجھ کو عنایت فرمادیں اور صرف اس لیے کہ وہ زکوٰۃ کے حکم کی تعمیل نہ کرتا تھا، آپ ﷺ ناخوش تھے اس کی درخواست منظور نہ فرمائی لیکن اس نے جب کوئی چارہ نہ دیکھا تو بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا سے التجا کی اور آپ نے اس کی سفارش فرمائی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی درخواست منظور فرما کر اپنا کرتہ اس کو دے دیا۔

"ام المومنین" عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

اور

سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے تعلقات

بعض مسلمانوں کا خیال ہے اور کچھ آج سے نہیں ہمیشہ سے چلا آیا ہے کہ "ام المومنین" عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور سیدۃ النساء فاطمہ صلوات اللہ علیہا کے دلوں میں رنجش تھی اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں یہ بیج دونوں کے دلوں میں پرورش پا چکا تھا جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد مختلف صورتوں میں ظاہر ہوا مگر واقعات پر غور کرنے سے یہ خیال درست نہیں معلوم ہوتا۔ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کے مزاج میں ایک صفت یہ بھی تھی کہ ان کی طبیعت کینہ پرور نہ تھی۔ اگر کوئی بات ان کو ناگوار ہوتی تھی یا کسی شخص سے کوئی تکلیف پہنچتی تھی تو اس کا اثر عارضی ہوتا اور کچھ عرصہ بعد زائل ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ابن عبداللہ اندلسی ابوسفیان کی روایت سے امام حسن رضی اللہ عنہ کے الفاظ یوں لکھ رہا ہے کہ "ہماری ماں کی طبیعت میں کینہ نہ تھا۔ وہ خفا ہونے کے بعد فوراً ہی رضامند ہو جاتی تھیں۔" گویا سیدہ کا غصہ دودھ کا ایک ابال تھا کہ سخت تکلیف کی حالت میں تھوڑی دیر کے واسطے اس کا احساس ہوا اور زائل ہو گیا۔ زمانہ حیات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں وہی واقعہ جو صحیحین میں درج ہے اور اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اس دعویٰ کو ثابت کرتا ہے کہ جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ "میں عائشہ رضی اللہ عنہا کو عزیز رکھتا ہوں" بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا نے یہی جواب دیا کہ "میں بھی اس کو جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم عزیز خیال کریں عزیز سمجھتی ہوں۔" ام المومنینؓ اس لیے کہ وہ رشتہ میں ماں تھیں اپنی بزرگی کے لحاظ سے بہت کم بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کے پاس آئیں۔ لیکن سیدہ آخر وقت تک ان کی خدمت میں حاضر ہوتی رہتیں اور دیر تک باتیں کرتیں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا ام المومنینؓ سے اکثر ملتی جلتی رہیں اور جو ادب و

احترام سرور کائنات ﷺ کی زندگی میں ام المومنینؓ کا تھا وہ ان کے بعد بھی رہا۔ اسی طرح ام المومنین نے جو شفقت بزرگانہ رسول اکرم ﷺ کے زمانہ حیات میں سیدہ پر رکھی وہ انتقال کے بعد بدستور رہی۔ چنانچہ جس وقت امیر معاویہؓ نے مدینہ منورہ میں ایک عام جلسہ کیا اور امام حسین رضی اللہ عنہ سے بیعت کی درخواست کی تو گو بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا زندہ نہ تھیں مگر ام المومنین یہ سن کر برافروختہ ہو گئیں۔ امام حسین علیہ السلام کے انکار بیعت پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک دستہ فوج نے تلواریں نکال لی تھیں۔ ام المومنین نے جب یہ سنا تو غصہ میں تھرتھر کانپنے لگیں اور اسی وقت مسجد نبوی میں آ کر امیر معاویہ کو بلا لیا اور کہا۔

"سنا ہے کہ تو نبی کریم ﷺ برگزیدہ کے نواسے حسین رضی اللہ عنہ سے گستاخی سے پیش آیا۔ تجھے معلوم نہیں کہ گو اس کی ماں موجود نہیں۔ مگر میں زندہ ہوں اور دم بھر میں تیرا زور ڈھا دوں گی۔"

اگر ام المومنین کے دل میں بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی طرف سے کوئی رنجش ہوتی یا ان کے تعلقات سے ناخوش ہوتیں تو ہرگز اس طرح ان کے بچے کی حمایت کو نہ کھڑی ہوتیں اور یہ نہ کہتیں کہ "اس کی ماں موجود نہیں ہے۔ مگر میں موجود ہوں۔" اس لیے یہ خیال کہ ان دونوں میں رنجش تھی۔ یقیناً غلط ہے۔ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی طبیعت اس قسم کی واقع ہی نہ ہوئی تھی کہ ان کے دل میں کوئی بات رہتی۔ چنانچہ انتقال سے تین روز قبل انہوں نے ام المومنین سے کھلے ہوئے الفاظ میں کہا تھا۔ "اگر میرا کبھی کوئی فعل خلاف مزاج ہوا ہو تو عنداللہ اس کو معاف فرما دیجیے گا۔" ام المومنین یہ سن کر رو دیں اور بیٹی کو گلے سے لگا لیا۔

سلمہ بنت الزبیرؓ مزاج کی تیز تھیں اور جس طرح بڑی بوڑھیاں لڑکیوں پر تنبیہ کرتی رہتی ہیں وہ سیدۃ النساء سلام اللہ علیہا پر بعض دفعہ انتہائے ریاضت اور کثرت عبادت پر اعتراض کر بیٹھتیں۔ ایک دفعہ یہاں تک انہوں نے کہہ دیا کہ "اپنے جسم کو مٹی میں ملا دینا کہاں کی عبادت ٹھہری۔" مگر بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا ہمیشہ ان کے کہنے کو سن کر ٹال دیتیں اور ان کی تعظیم و تکریم میں فرق نہ آنے دیتیں۔

علم

سیدۃ النساء کرم اللہ وجہہ سے اکثر روایتیں موجود ہیں وہ علی الاعلان مسجد نبوی میں وعظ فرماتی تھیں۔ کلام اللہ پر ان کو عبور تھا اور جس وقت وعظ کہتی تھیں تو سامعین پر اس قدر اثر ہوتا تھا کہ لوگوں کے روتے روتے ہچکی بندھ جاتی تھی شعر بہت کم کہتی تھیں۔ مگر تقریر ایسی بے نظیر ہوتی تھی کہ سبحان اللہ درس بھی دیتی تھیں اور تمام عرب میں ان کی قابلیت کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔

ملا حسن شیرازی کہتا ہے کہ ''ان کو کلام اللہ تعالیٰ پر اس قدر عبور تھا کہ بعض دفعہ ان کی تمام گفتگو کا ماخذ کلام اللہ تعالیٰ ہوتا تھا۔'' اس نے ایک موقعہ پر ایک سائل اور سیدہ کا مکالمہ درج کیا ہے اور یہ مکالمہ بہت طویل ہے جس میں اس کے ہر سوال کا جواب بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا نے محض کلام اللہ تعالیٰ سے دیا ہے۔ ہم طوالت کے خیال سے اس کو نظر انداز کرتے ہیں۔ وہ ایک جگہ لکھ رہا ہے کہ رسالت مآب ﷺ کے وصال کے بعد شام کے ایک تاجر کو جو مسلمان ہو چکا تھا کلام اللہ تعالیٰ کی ایک آیت کے سمجھنے میں وقت ہوئی۔ چنانچہ وہ اس مرحلہ کو طے کرنے کے واسطے آیا۔ چاروں طرف پھرا مگر کسی کے جواب سے اس کو تشفی نہ ہوئی تو سیدہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے اس کی تفسیر اس خوبی سے بیان کی کہ تاجر مطمئن ہو گیا۔

صاحب علل الشرائع اس بڑھیا کی بابت جس نے خلیفہ دوم کو دوران وعظ میں بڑے مہر باندھنے کی ممانعت پر ٹوک دیا تھا اور یہ کہا تھا ''خاموش رہ کلام اللہ کے خلاف کہہ رہا ہے۔'' اور فاروق اعظمؓ کو اس کا اعتراض تسلیم کرنا پڑا تھا لکھتا ہے۔ یہ بڑھیا اسماء بنت عمیس تھی۔ جس کا تمام وقت سیدۃ النساء سلام اللہ علیہا کی خدمت میں صرف ہوتا تھا اور انہی کا فیض صحبت تھا کہ بڑھیا کلام اللہ سے اچھی طرح واقف ہو گئی۔

ملا کا بیان ہے کہ ایک موقعہ پر جب رسالت مآب ﷺ سفر میں تشریف فرما

تھے نماز جمعہ کے بعد سیدہ نے مسجد نبوی ﷺ میں وعظ فرمایا۔ اس آیت کی تفسیر کر رہی تھیں۔

"قل لو کان البحر مدادا لکمات ربی النفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جائنا بمثلہ صداداً۔

سامعین میں ایک شخص حارث ابن سعد بھی موجود تھا وہ اس قدر متاثر ہوا کہ اس کا کلیجہ شق ہو گیا اور وہیں چیختا پیٹتا مر گیا۔

ہم کو یہاں تک تو پتہ چل رہا ہے کہ سیدہ نے اشعار فرمائے اور وہ بعض دفعہ شعر کہتی تھیں۔ مگر افسوس باوجود تلاش و محنت کے سیدہ کا کلام ہم کو میسر نہ آسکا۔ صرف ایک ایرانی مورخ کچھ پیش کر رہا ہے۔ لیکن اس کی تائید کسی دوسری کتاب سے نہیں ہوئی۔

بچے

۱۵ رمضان المبارک ۳ھ کو خدائے پاک نے سیدہ کو صاحب اولاد کیا اور ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اسماء بنت عمیس نے اس بچہ کی پرورش میں بہت حصہ لیا ہے۔ رسالت مآب ﷺ نے جب پیدائش کی خبر سنی تو تشریف لائے۔ بچہ کو گود میں لیا اور حسن رضی اللہ عنہ نام رکھا۔ ۵ شعبان ۴ھ کو یعنی قریباً ایک سال بعد دوسرا بچہ پیدا ہوا۔ جس کا نام سرور کائنات ﷺ نے حسین رضی اللہ عنہ رکھا۔

سیدۃ النساء سلام اللہ علیہا کے بطن سے چھ بچے پیدا ہوئے۔ حسن، حسین، رقیہ، ام کلثوم، زینب اور محسن، دو صاحبزادیاں زینب اور کلثوم عمر طبعی کو پہنچیں۔ مگر محسن کی پیدائش میں دونوں اہل سنت و شیعہ کچھ تھوڑا سا اختلاف رکھتے ہیں۔

بچوں کی تربیت

حسنین علیہما السلام کی زندگی سے جو فیض دنیا کو پہنچا۔ ان کی قابلیت ان کا علم وحلم، انکسار، خلق، ریاضت، عبادت یہ سب پاک ماں کی گود کا اثر تھا وہ بچوں کو

سلاتے وقت بھی بطور لوری کے کلام اللہ کی آیتیں پڑھتی تھیں اور شروع ہی سے ان کے کانوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت جاگزیں ہوتی تھی۔ انہوں نے ان بچوں کو سمجھایا تو اللہ تعالیٰ کے کلام سے ڈرایا تو اللہ تعالیٰ کے کلام سے۔ چنانچہ صاحب علل الشرائع کہہ رہا ہے کہ ایک دفعہ دونوں بچوں میں کچھ لڑائی ہوئی اور مار کٹائی تک نوبت پہنچ گئی۔ چوٹ دونوں کے لگی اور روتے ہوئے ماں کے پاس آئے۔ بڑے نے چھوٹے کی شکایت کی اور چھوٹے نے بڑے کی۔ آپ نے دونوں کو اپنے پاس بٹھا لیا اور فرمایا ''تمہارا اللہ تو تم کو یہ حکم دے رہا ہے کہ تم آپس میں لڑ جھگڑ کر فتنے برپا نہ کرو اور تم خدائے برحق کے حکم کے خلاف باہم لڑتے جھگڑتے ہو۔ اس بحث کو تو جانے دو کہ کس نے زیادہ مارا اور کس نے کم۔ ابتدا کس سے ہوئی اور بے قصور کون تھا۔ مگر خدا کی نافرمانی تو تم دونوں سے ہوئی۔ بتاؤ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا کیا جواب دو گے؟''

ماں کا کہنا کچھ ایسا کارگر ہوا کہ دونوں بچے اپنی اپنی شکایتوں کو بھول گئے اور خوف آخرت سے رونے لگے۔ جب رو چکے تو ماں سے عرض کیا ''ہمارے گناہ اب تو اللہ تعالیٰ سے معاف کرا دیجیے۔ آئندہ ہم سے ایسی خطا ہرگز نہ ہو گی۔'' آپ نے فرمایا ''اچھا وضو کرو اور میرے پاس آؤ'' دونوں لڑکے دوڑے دوڑے گئے اور وضو کر آئے تو آپ نے ان کو سجدے میں گرایا اور کہا۔ ''لو اپنے قصور کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو۔'' وہ بچے رو رو کر اپنے قصور کی مالک حقیقی سے معافی طلب کر رہے تھے اور ان کے ساتھ ہی سیدہ بھی گریہ زاری میں بچوں کے ساتھ مصروف تھیں۔

یہی مورخ کہتا ہے کہ زینب صلواۃ اللہ علیہا جو سیدہ کی صاحبزادی تھیں۔ وہ صاحبزادی جن کے وہ بچے عون اور محمد، سید الشہداء کے ساتھ میدان کربلا میں شہید ہوئے بچپن میں ایک روز کلام اللہ پڑھ رہی تھیں اور استغراق کی یہ کیفیت تھی کہ ان کو کسی چیز کا مطلق ہوش نہ تھا۔ سر سے ردا اتر گئی۔ ان کو خبر نہ ہوئی ننگے سر تلاوت کرتی رہیں۔ اتفاق سے ماں کی نظر پڑ گئی اٹھیں قریب آئیں۔ ردا اڑھا دی اور فرمایا۔

"بیٹی اللہ تعالیٰ کا مقدس کلام اور ننگے سر۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار رحلت

اب وہ وقت تھا کہ بڑے بڑے جابر و سرکش جو اسلام کے نام سے جلتے تھے مسلمان ہو چکے تھے "قریش" کا سرگروہ ابوسفیان ایمان لا چکا تھا۔ یمن میں اسلام کی روشنی پھیل چکی تھی۔ طائف فتح ہو گیا تھا اور وہ مٹھی بھر مسلمان جن کو ایک وقت میں اللہ تعالیٰ کی پاک ذات کے سوا کوئی سہارا نہ تھا ہزاروں تک پہنچ گئے تھے۔ "قریش" کا زور ڈھے گیا۔ منافقوں کے دل بجھ گئے اور عرب کا بڑا حصہ اسلام کی روشنی سے جگمگا اٹھا۔ ہجرت کا دسواں سال تھا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے "خانہ کعبہ" کا حج کیا۔ جو "حجۃ الوداع" کے نام سے مشہور ہے اور لوگوں کو احکام حج بتائے۔ اسی اثناء میں یہ آیت نازل ہوئی۔ الیوم یئس الذین کفر و امن دینکم فلاتخشوھم واخشون الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔

"کافر آج کے دن مایوس ہو گئے۔ پس تم ان کا خوف نہ کرو۔ مجھ سے ڈرتے رہو آج کے روز پورا کر دیا۔ میں نے تمہارا دین اور تمام کر دی تمہارے اوپر اپنی نعمت اور راضی ہوا میں تمہارے دین اسلام سے۔

اس آیت کے نازل ہوتے ہی لوگ سمجھ گئے کہ اب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں رہنے کی ضرورت نہیں۔ اسلام کا وہ کام اور خدمت جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک بندے کو ہمارے واسطے بھیجا تھا۔ ختم ہوا اور اب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم چند روز کے مہمان ہیں۔ خلیفہ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ آیت سن کر بہت روئے اور سمجھ گئے کہ جدائی کا وقت قریب آ گیا۔ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جس وقت یہ آیت سنی۔ تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق کے خیال سے اس قدر روئیں کہ بے تاب ہو گئیں اور اس حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کی زیارت کر لی تو تسکین ہوئی۔

حج سے واپس آتے ہی سرور کائنات ﷺ کی طبیعت کچھ علیل ہو گئی تھی۔ مگر خیال یہ تھا کہ شاید راستہ کی تکان اور سفر کا اثر ہو گا۔ مگر وہ علالت بجائے رفع ہونے کے ترقی کرتی گئی۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ کسی میت کے دفن میں شرکت فرمانے بقیع کے قبرستان میں تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپس آئے تو دیکھا کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سر کو پٹی باندھے ہائے ہائے کر رہی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "عائشہ رضی اللہ عنہا میرے سر میں بھی درد ہے" ام المومنین نے کہا۔ اگر میں درد سر میں مر گئی تو آپ اور شادی کر لیں گے۔" رسول اکرم ﷺ ام المومنین کے اس کہنے پر مسکرائے۔ بات گئی گزری ہوئی۔ مگر ام المومنین کا درد دوسرے روز جاتا رہا اور رسالت مآب ﷺ کا بخار بڑھتا گیا۔ کئی روز تک آپ اسی حالت میں گھر میں پڑے رہے اور باہر تشریف نہ لا سکے ایک دن جب کچھ افاقہ ہوا تو باہر تشریف لائے۔ لوگ اپنے رسول ﷺ کی زیارت کو ترس گئے تھے۔ سرور کائنات ﷺ کے تشریف لاتے ہی اس طرح دوڑے جس طرح شمع پر پروانے۔

سرور کائنات ﷺ کی اس علالت و حالت نے سیدہ کی حالت خراب کر دی۔ ان کا دل فطرۃً کمزور واقع ہوا تھا۔ ماں کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ چکا تھا۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ جیسا شوہر اور حسنین جیسے بچے موجود تھے۔ مگر سرور عالم ﷺ کی رحلت کا خیال ان کو سخت بے چین کر رہا تھا۔ انہوں نے ایک لمحہ کے لیے بھی حالت مرض میں اپنے مقدس باپ کی پٹی نہ چھوڑی ہر وقت ان کی خدمت اور تیمارداری میں مصروف رہتیں د۔

اصابہ کا مصنف لکھ رہا ہے کہ جب بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی حالت زیادہ خراب ہوئی اور سرور کائنات ﷺ کو اندیشہ ہوا کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا تڑپ تڑپ کر نہ مر جائے تو آپ ﷺ نے فاطمہ سلام اللہ علیہا کو اپنے پاس بلایا اور آہستہ سے کان میں فرمایا۔

"تم گھبراؤ نہیں۔ سب سے پہلے تم ہی مجھ سے ملو گی۔"

رسول اکرم ﷺ کے یہ الفاظ سن کر سیدۃ النساء سلام اللہ علیہا کے چہرے پر

مسکراہٹ آ گئی اور وہ رنج اس خیال سے تھوڑی دیر کے واسطے زائل ہو گیا۔

سرور کائنات ﷺ باہر تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے اسی حالت مرض میں خطبہ پڑھا اور مسلمانوں کو بہت سی نصیحتیں فرمائیں۔

اس وقت جو خاص واقعہ پیش آیا بظاہر اس کتاب کو اس سے کوئی تعلق نہیں مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا تعلق جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے تھا اس کو نظر انداز کرنا مناسب نہیں۔ اس لیے نقل کرتے ہیں۔

خطبہ اور نصیحتوں کے بعد سرور کائنات ﷺ نے حکم دیا۔ ''اگر تم میں سے کسی کا کوئی حق مجھ پر ہو تو طلب کر لے کہ آخرت کا مواخذہ نہ رہے۔''

ایک صحابی جن کا نام عکاشہ تھا سنتے ہی آگے بڑھے اور کہا ''ایک دفعہ جہاد کے موقعہ پر آپ ﷺ اونٹ کو کوڑا مار رہے تھے۔ اتفاق سے میرے لگ گیا۔''

سرور کائنات ﷺ نے فرمایا ''اچھا وہ کوڑا منگوا لو۔'' چنانچہ وہ کوڑا فوراً آ گیا اور آپ ﷺ نے عکاشہ سے فرمایا۔ ''لو عکاشہ اپنا بدلہ لے لو۔''

اس وقت صحابہؓ کی جماعت پر ایک سناٹا تھا۔ لوگ پریشان تھے کہ یہ شخص جو ہمیشہ رسول اکرم ﷺ سے عشق و محبت کا دعویٰ کرتا رہا۔ اس وقت کہ سرور کائنات ﷺ بیمار ہیں۔ ضعف کی یہ حالت ہے کہ اچھی طرح کھڑے بھی نہیں ہو سکتے بخار چڑھا ہوا ہے۔ ایسی گستاخی کی جرأت کس طرح کر رہا ہے۔ جب کوڑا آ گیا تو عکاشہ نے کہا۔

''یا رسول اللہ ﷺ اس وقت جب کوڑا لگا ہے میں ننگے بدن تھا۔ میرے تن پر کوئی کپڑا نہ تھا۔ اس لیے آپ ﷺ بھی اسی طرح قصاص دیجیے۔'' سرور کائنات ﷺ نے یہ سنتے ہی اپنا کرتہ اتار دیا اور عکاشہ سے کہا۔ ''بسم اللہ کر اور اپنا قصاص لے۔''

لوگ اپنے بیمار رسول ﷺ کو اس حال میں دیکھ کر چیخیں مارنے لگے۔ مگر کسی کی اتنی ہمت نہ تھی کہ عکاشہ سے کچھ کہہ سکے۔ عکاشہ نے جس وقت ہاتھ میں کوڑا لیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جو سیدہ کے شوہر تھے ضبط نہ ہو سکا۔ وہ روتے ہوئے آگے بڑھے اور کہا۔

"عکاشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہیں۔ اس وقت قصاص کے قابل نہیں۔ تو اپنا بدلہ مجھ سے لے اور جس قدر کوڑے تیرا دل چاہے میرے جسم پر مار۔ مگر اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت نہ دے۔"

عکاشہ:

"میں نے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے کوڑا نہیں کھایا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ سے کس طرح قصاص لے سکتا ہوں۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ:

"میرے دونوں بچے حسنین موجود ہیں۔ تو ان کے کوڑے مار لے مگر اس وقت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ دے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

"نہیں علی کرم اللہ وجہہ تمہارے یا حسنین کے مارنے سے قصاص نہیں ہو سکتا۔"

قصاص کا صرف بہانہ تھا۔ عکاشہ نے مہر نبوت چومی اور عرض کیا۔
"میں نے یہ فعل صرف اس لیے کیا ہے کہ دوزخ کی آگ مجھ پر حرام ہو جائے۔"
صحیین میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت زیادہ بگڑنے لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"لاؤ کاغذ لاؤ۔ میں تم کو کچھ لکھوا دوں۔ تا کہ میرے بعد تم لوگ گمراہ نہ ہو جاؤ یا لڑو جھگڑو نہیں۔"
اس وقت خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ آپ نے کہا کہ "اس وقت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف زیادہ ہے۔ اس لیے ایسا فرما رہے ہیں۔ ہم کو

وصیت کی ضرورت نہیں۔ حسبنا کتاب اللّٰہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمارے لیے کافی ہے۔"

حاضرین میں سے بعض نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس جواب کو پسند نہ کیا۔ اہلبیت کا خیال تھا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے واسطے کچھ لکھوا رہے ہیں۔ بہتر ہو گا کہ کاغذ لا کر لکھ لینا چاہیے۔ بعض کا خیال تھا کہ فاروق اعظمؓ کا کہنا درست ہے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہے۔ ایسی حالت میں زیادہ تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔ کتاب اللہ ہمارے واسطے بے شک کافی ہے اس بحث مباحثہ میں غل غپاڑہ تک نوبت پہنچ گئی یہاں تک کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ۔"

مختصر یہ کہ مجمع درہم برہم ہو گیا اور معاملہ طے نہ ہو سکا۔ لیکن حضرت عباسؓ نے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا۔ "علی کرم اللہ وجہہ! مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ تم ابھی بچے ہو۔ میں اپنے خاندان کی بہت سی موتیں دیکھ چکا ہوں بولتے بولتے دم نکلتا ہے۔ اور جو علامتیں آخر وقت کی ہوتی ہیں وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پا رہا ہوں۔ میری رائے میں یہ مناسب ہو گا کہ تم مسئلہ خلافت کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے طے کر لو کہ یہ منصب کس کو دیا جائے تاکہ پھر کسی قسم کا جھگڑا باقی نہ رہے گا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بچشم تر یہ گفتگو حضرت عباس سے سنی اور رو کر فرمایا کہ۔

"میں کس دل سے یہ سوال، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کروں۔ میرا دل نہیں چاہتا کہ میں ان سے یہ عرض کروں۔"

بیماری کی شدت زیادہ ہوئی تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ "تم اپنے باپ سے کہہ دو، کہ میں اب باہر آنے کے قابل نہیں تم امامت کرو۔ اور میری جگہ نماز پڑھاؤ۔"

ام المومنینؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں عرض کیا۔

"یا رسول اللہ ﷺ! میرے باپ رقیق القلب آدمی ہیں۔ ان کو آپ سے جو محبت ہے وہ ظاہر ہے وہ آپ کی جگہ خالی دیکھ کر ضبط نہ کرسکیں گے بے قرار ہو جائیں گے آپ اس کام کے واسطے کسی اور کو مقرر فرمایئے تو بہتر ہے۔"

رسالت مآب ﷺ کے چہرۂ مبارک پر اس وقت شکن پڑ گئی۔ اور آپ نے پھر وہی فرمایا جو پہلے فرمایا تھا۔ ام المومنین نے اپنے محترم باپ کی خدمت میں یہ الفاظ رسالت مآب ﷺ کے پہنچا دیئے اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس ارشاد کی تعمیل میں پانچ وقت نماز پڑھائی۔

اب سرور کائنات ﷺ کی حالت میں کچھ افاقہ تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سہارے سے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر باہر تشریف لائے تو مسجد نبوی ﷺ میں جماعت ہو رہی تھی اور حضرت ابو بکرؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ سرور کائنات ﷺ کی آہٹ پا کر نمازیوں نے اپنے رسول ﷺ کے آنے کی اطلاع اس طرح ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دی کہ کھانسنے لگے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ معلوم کر کے کہ سرور کائنات ﷺ تشریف لے آئے ہیں نماز توڑنی چاہی اور الٹے پاؤں پیچھے ہٹے۔ مگر رسول اکرم ﷺ نے ان کی پشت پر ہاتھ رکھ کر ان کو امامت پر کھڑا کر دیا۔ اور آپ سیدھی طرف کھڑے ہو کر نماز میں شریک ہو گئے۔ مگر بخار چڑھا ہوا تھا۔ کمزوری بڑھ گئی تھی۔ کھڑے نہ رہ سکے۔ بیٹھنا پڑا اور بیٹھے بیٹھے ہی نماز ادا کی۔

نماز کے بعد رسول اکرم ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور یہ نماز اللہ تعالیٰ کے لیے نبی کریم ﷺ کی آخری نماز تھی۔ اس کے بعد نہ باہر تشریف لا سکے۔ نہ نماز کے واسطے کھڑے ہو سکے۔

وفات رسول اللہ ﷺ

بخار کی شدت لحظہ بہ لحظہ تیز ہو رہی تھی ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ "ایسی شدت کا بخار میں نے کبھی اس سے پہلے نہیں دیکھا۔ باوجودیکہ جسم مبارک پر چادر پڑی ہوئی تھی مگر اس پر بھی ہاتھ رکھنے سے بخار کی شدت یہ تھی کہ

ہاتھ جھلسا جاتا تھا۔" سرور کائنات ﷺ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سیدہ تیمارداری میں مصروف تھے۔ مگر اب وہ وقت تھا کہ سرور کائنات ﷺ کی زبان مبارک سے سوائے۔ اَللّٰھُمَّ رَفِیْقَ الْاَعْلٰی۔ کے اور کچھ نہ نکلتا تھا۔

رسالت مآب ﷺ کی اس کیفیت سے یوں تو "اہلبیت" اور "امہات المومنین" کیا مسلمانوں کا بچہ بچہ رو رہا تھا۔ مگر بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی حالت بہت ردی تھی جب انہوں نے یہ دیکھا کہ اب سرور عالم ﷺ زبان مبارک سے اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں نکلتا اور زندگی سے مایوس ہو گئیں تو گو حضرت علی کرم اللہ وجہہ جیسا شوہر اور حسنین جیسے لال موجود تھے۔ مگر محمد ﷺ جیسا باپ ایسا باپ نہ تھا کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا جیسی بیٹی اس کی موت کا صدمہ سہار جاتی۔ آج ماں کی موت کا صدمہ بھی تازہ ہوا۔ وہ سرور کائنات ﷺ کے چہرہ کو غور سے دیکھتیں اور جب یہ دیکھتیں کہ باپ کی آنکھیں اب فاطمہ کو پہچاننے کے قابل نہیں تو کلیجہ پکڑ کر بیٹھ جاتیں۔ پھر اٹھتیں حالت یاس میں اِدھر اُدھر پھرتیں اور پھر چہرہ اقدس پر نظر ڈالتیں اور دیکھتیں کہ اب یہ پیاری صورت تھوڑی دیر کی مہمان ہے اور میری آنکھ سے اس طرح اوجھل ہو گی کہ سر ٹکراؤں گی اور نہ پاؤں گی۔ ماں کا سایہ بچپن میں اٹھ گیا تھا جو کچھ تقویت یا سہارا اس وقت تھا وہ باپ کا۔ ورنہ دنیا جان کی دشمن تھی۔ وہ باپ جس کو دم بھر کی مفارقت خوشی سے گوارا نہ تھی۔ آج موت اس کو جدا کرتی ہے۔ دفعتہً بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا نے سرور کائنات ﷺ کے پائے مبارک سے اپنی آنکھیں ملیں بوسہ دیا اور دونوں ہاتھ پاؤں میں ڈال کر چمٹ گئیں۔

ملا حسن شیرازی اس جگہ لکھ رہا ہے کہ گو شدت بخار سے سرور عالم ﷺ کو سخت تکلیف تھی مگر آپ ﷺ نے آنکھ کھولی اور یہ دیکھ کر کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا سخت بے چین ہے آپ ﷺ نے اشارے سے اپنے پاس بلایا اور دست مبارک بیٹی کے سر پر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ فرط شفقت سے سیدہ کی طبیعت اور بھی بگڑی۔ انہوں نے اس مبارک ہاتھ کو پیار کیا اور اپنے منہ پر پھیرا اور آنکھوں سے لگائے

روتی رہیں۔

اب سکرات شروع ہو گئی اور وہ دماغ جس نے بڑی بڑی الجھی ہوئی گتھیاں چشم زدن میں سلجھا دیں دنیا کے کاموں سے بے خبر ہو گیا۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سکرات کی سختی اس قدر تھی کہ میں نے یہ سختی پہلے نہ دیکھی تھی۔'' اس وقت بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا چاروں طرف حسرت سے تکتی تھیں اور کوئی قوت ایسی نہ تھی جو ان کے باپ کی مقدس روح کو وصال اللہ تعالیٰ سے روک کر ان کے پاس چھوڑ دیتی۔ پاک روح کے پرواز کا وقت قریب آتا جا رہا تھا اور سیدہ کے چہرہ پر آثار یتیمی برسنے شروع ہو گئے تھے۔ حسنین اس وقت موجود نہ تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھیج کر سیدہ نے اپنے بچوں کو بلایا اور کہا۔

''حسنین کہاں تھے۔ آج تمہارے نانا کی پاک روح دنیا سے رخصت ہوتی ہے۔ اور فاطمہ سلام اللہ علیہا کے سر سے باپ کا سایہ اٹھتا ہے حسنین نانا کی صورت اب نظر آنے والی نہیں۔ یہ وقت وداع ہے۔ میں اپنے مقدس باپ کو اس طرح دنیا سے رخصت کر رہی ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں جلانے کا تیل بھی نہیں۔ حسنین میری میزبانی میں شریک ہو اور میرے باپ کو دنیا سے رخصت کرو۔''

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نہایت ضبط سے کام لے رہے تھے اور گو دل کی حالت بہت خراب تھی۔ باپ سمجھو۔ خسر سمجھو۔ سرپرست کہو۔ ولی کہو۔ محسن تھے۔ رسول تھے اور جو کچھ بھی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کی طرح رکھا۔ بیٹوں کی طرح پالا مگر مرد تھے ضابطہ۔ بھاری بھرکم دل پر جو گزر رہی تھی سہار رہے تھے لیکن اس وقت سیدہ کی اس تقریر سے دل بھر آیا بچوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر گرا دیا اور بی بی سے کہا۔

''فاطمہ سلام اللہ علیہا! حسنین رضی اللہ عنہ تیرے باپ کے غلام ہیں۔''

اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت اس قابل نہ تھی کہ وہ جن بچوں کی ادنیٰ تکلیف پر بھی متاثر ہو جاتے تھے ان کی اس کیفیت کو سمجھ سکتے۔ بہ اختلاف روایات ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ اور ہجرت کا گیارہواں سال تھا کہ اس حالت میں

حضور اکرم ﷺ نے دنیائے ناپائیدار سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی۔

انتقال کے وقت سرور عالم ﷺ کا سر مبارک ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گود میں تھا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس پر فخر کرتی تھیں۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

''وصال کے وقت سر مبارک میرے زانو پر تھا۔ جس رات وصال ہوا میرے یہاں رہنے کی رات تھی۔ میرے حجرے میں آپ مدفون ہوئے۔''

اہل تشیع کہتے ہیں کہ انتقال وقت رسول اکرم ﷺ کا سر مبارک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی گود میں تھا اور سیدہ برابر بیٹھی تھیں۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے الفاظ یہ ہیں۔

''جب روح نے عالم بالا کو پرواز کیا۔ تو آپؐ کا سر میری گود میں تھا۔ فاطمہ سلام اللہ علیہا میرے برابر تھیں اور میں نے سانس نکلتے وقت ٹھوڑی کو سہارا دے کر منہ بند کر دیا۔''

جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سرور کائنات ﷺ کی خبر وفات سنی تو آپ منبر پر چڑھے اور فرمایا۔

''اے لوگو! آج پیغمبر اللہ ﷺ کا انتقال ہوا، سنو۔ اگر تم صرف حضرت محمد ﷺ کی عبادت کرتے تھے تو وہ اب ہم میں نہیں ہیں۔ انتقال کر گئے اور اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے تو وہ ہمیشہ ہے اور ہمیشہ رہے گا۔''

خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ خبر موت سن کر تلوار ہاتھ میں لے کر باہر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ ''اگر کسی شخص کی زبان سے بھی یہ نکلا کہ رسول اللہ ﷺ انتقال کر گئے تو اس کی گردن اڑا دوں گا۔ وہ زندہ ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں گئے ہیں۔ اور پلٹ کر آجائیں گے۔'' حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سمجھایا اور کہا۔ ''تمہارا خیال غلط ہے۔ اس کی شہرت نہ دو۔ موت ہر ذی روح کو ایک دفعہ آتی ہے اور پھر دنیا میں دوبارہ زندہ نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ اب دنیا سے تشریف لے گئے اور ان کے واپس تشریف آنے کی کوئی امید نہیں۔''

ارشاد نبوی ﷺ کے موافق ''اہلبیتؑ'' رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تدفین میں

مصروف ہوئے۔ مسلمانوں میں اس خبر نے تہلکہ مچا دیا لوگ جوق جوق جمع ہوئے رہتے۔ اور اپنے رسول ﷺ کے چہرۂ اقدس کی زیارت سے مشرف ہو کر جاتے تھے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی آنکھوں میں اس وقت دنیا اندھیر تھی۔

کہا جاتا ہے کہ روئے زمین پر چار آدمیوں کی گریہ درازی مشہور ہے۔ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام جب جنت سے علیحدہ ہوئے تو اس قدر روئے کہ تمام بدن کی ہڈیاں نکل آئیں اور ان کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام، جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام ان سے جدا ہوئے بیٹے کی مفارقت میں اس قدر روئے کہ آنکھوں کی بینائی جاتی رہی۔

سیدۃ النساء سلام اللہ علیہا اپنے محترم باپ رسول اکرم ﷺ کی مفارقت میں اس قدر روئیں کہ چھ مہینے کے اندر ہی اندر اس صدمہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں جا پہنچیں۔ چوتھے امام زین العابدین رضی اللہ عنہ "سید الشہداء" کے بعد۔

سچ یہ ہے کہ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا جس قدر بھی روتیں اور جو کچھ بھی ان پر صدمہ ہوتا کم تھا۔ ماں تھے تو باپ تھے تو۔ حضور اکرم ﷺ اور پھر رسول اللہ ﷺ جیسے باپ کہ دم بھر کو بیٹی جدا ہو جائے تو بے چین ہو جائیں اور بیٹی کیا بیٹی کے بیٹے۔ حسنین رضی اللہ عنہما نماز میں کندھوں پر چڑھیں تو سجدے سے سر نہ اٹھائیں۔ اللہ تعالیٰ کا رسول ﷺ اور فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بچوں کا گھوڑا!! اللہ اللہ اس سے زیادہ الفت و محبت کیا ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ کی تدفین

ناظر اگر تھوڑی دیر کے واسطے چشم تامل سے اس واقعہ پر غور کرے کہ دونوں جہاں کا سردار، اللہ تعالیٰ کا پاک رسول ﷺ جس نے ایک عربستان ہی نہیں۔ روئے زمین پر اپنی رسالت اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ڈنکہ بجا دیا۔ آج دنیا سے رخصت ہو گیا تو ایک عجیب منظر آنکھ کے سامنے آ جاتا ہے۔ جس منہ سے ہمیشہ پھول جھڑتے تھے ہمیشہ کو خاموش ہو گیا۔ جو ذات پاک بیکسوں کا وارث یتیموں کا

ملجا اور اپاہجوں کا ماوا تھا۔ ہمیشہ کو جدا ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ کا جسد خاکی ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں ایک چٹائی پر رکھا ہوا ہے اور سیدہ جیسی بیٹی باپ کے سرہانے بیٹھی محترم باپ کو یاد کر رہی ہے اپنی بے کسی کا خیال، باپ کے فراق کا صدمہ، معصوم بچوں کے سر سے نانا جیسے شفیق بزرگ کے سایہ کا اٹھنا اور سب سے زیادہ یہ خیال کہ جس سے دنیا اور دین دونوں کی توقعات تھیں آج اس کا پاک جسم بے جان آنکھوں کے سامنے پڑا ہے۔ اس واقعہ کی پوری تصویر اور ان درد انگیز حالات کا اصلی بیان بہت مشکل سے ادا ہو سکتا ہے۔ میت کو گود میں لیے اور باپ کا سر مبارک چھاتی سے لگائے ساڑھے تیرہ گھنٹے کی رات غریب فاطمہ سلام اللہ علیہا کی آنکھوں میں کٹ گئی۔ دوسرے روز نو بجے کے بعد غسل شروع ہوا۔ کیا وقت ہو گا اور کیا دل کہہ رہا ہو گا۔ اس بیٹی کا جس نے لمحہ بھر کو باپ کی مفارقت خوشی سے گوارا نہ کی۔ یہ دیکھ کر باپ کی شفقت و محبت کی یادگار جسد خاکی جو اس وقت سامنے ہے تھوڑی دیر کے بعد یہ بھی اوجھل ہوتا ہے۔

غسل میں تمام "اہلبیتؑ" شریک تھے۔ سیدہ نے پانی کی بدھنیاں بھر بھر کر جسم اطہر پر ڈالیں۔ جس شخص کا کلمہ آج سات کروڑ ہندوستان میں اور بتیس کروڑ مسلمان روئے زمین پر پڑھ رہے ہیں۔ جس کی نسبت ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ناپاک چیز ان الفاظ سے پاک ہوتی ہے، جو نام دنیا اور دین دونوں کی نجات کا باعث ہے۔ آج اسی کے غسل آخر پر اسی کا نام پڑھا جا رہا ہے اور فاطمہ سلام اللہ علیہا باپ کے اوپر پانی ڈال کر باآواز بلند کہہ رہی ہیں۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

مسلمانوں نے سرور کائنات ﷺ کی تصدیق ان کی حیات میں ان الفاظ سے کی اور بعد ممات یہ آخری تصدیق جسد خاکی پر "اہلبیتؑ" کی زبانی ہوئی۔ دو بجے کے قریب غسل سے فرصت ہو گئی تو کفن کا وقت آیا۔ یہ آٹھ آنہ گز کا لٹھا اور دس آنہ گز کی تنزیب نہ تھی اور ہوتی کہاں سے۔ سردار دو جہاںؐ کے گھر میں رکھا ہی کیا تھا۔ جلانے کا تیل تو میسر تھا ہی نہیں۔ معمولی موٹے جھوٹے کفن میں اس

پاک جسم کو جو مسلمانوں کی جان اور ایمان تھا کفنا دیا۔

اب وہ وقت آ رہا تھا کہ یہ پاک جسم بیٹی کی آنکھوں سے سدا کو چھپ جائے۔ دفن میں تھوڑا سا اختلاف ہوا تھا مگر بالآخر یہ گفتگو شروع ہوئی اور اسی پر فیصلہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو اسی جگہ دفن ہونا چاہیے۔ جہاں روح نے عالم بالا کو پرواز کیا ہے۔

کیسا قیامت خیز سماں ہے جو لوگ پروانوں کی طرح ہمیشہ اس شمع پر نثار رہے۔ جس بچہ کی زبان سے اس حالت میں کہ تمام دنیا دشمنی اور قتل پر کمر بستہ تھی۔ یہ الفاظ نکلے تھے کہ "رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ فدا۔ میں آپ ﷺ کے ساتھ ہوں۔" جس بیٹی کی زبان سے ہمیشہ یہ نکلا "یا رسول اللہ ﷺ بھوک کی شدت میں آپ ﷺ کے جمال جہاں آرا سے تمام تکلیف رفع ہو جاتی ہے۔" آج وہی رسول اکرم ﷺ کے واسطے قبر کھود رہے ہیں کہ اس جسد خاکی کو پیوند زمین کر دیں۔

قبر تیار ہو گئی، اور وہ وقت بھی آ گیا کہ فقط اس ذات پاک کا نام اور اس کے کام باقی رہ جائیں۔ نماز جنازہ ادا ہوئی اور وہ جان فدا کرنے والے جو اس صورت کے عاشق زار تھے۔ میت کی نماز پڑھنے لگے۔ اور سیدہ نے جس دل سے باچشم گریاں رسول اللہ ﷺ کو سپرد خاک کیا۔ اس کی کیفیت کا اظہار کم از کم ہمارے قلم سے ناممکن ہے۔

تدفین کے بعد خلافت کی ضرورت پیش آئی۔ چونکہ رسول اکرم ﷺ نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہ فرمایا تھا۔ اس لیے خلافت میں مسلمانوں نے اختلاف کیا اور مختلف گروہ مختلف خیال ظاہر کرنے لگے۔ یہ بحث ہمارے مضمون سے متعلق نہیں ہے۔ ہم اس کو نظر انداز کرتے ہیں۔ مگر اتنا ضرور کہیں گے کہ باوجود اس علم و حلم کے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مخصوص حصہ تھا، باوجود اس فضیلت کے جس کا اعتراف رسول اکرم ﷺ نے بارہا فرمایا، باوجود اس شجاعت و جرأت کے جو کفار کے مقابلہ میں ان سے ہمیشہ ظاہر ہوئی۔ باوجود ان خدمات و ایثار کے جو انہوں نے اسلام کے لیے کیں، باوجود اس اعزاز کے کہ بچوں میں سب سے پہلے مسلمان

تھے۔ صرف اس وجہ سے کہ سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے شوہر تھے، باوجود کمسنی اور ناتجربہ کاری کے انتخاب خلافت میں ان کا نام پیش کیا گیا اور ایک گروہ نے علی الاعلان یہ کہہ دیا کہ ''حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا حق شوہر سیدہ ہونے کے سبب کسی سے کم نہیں ہے۔'' اس بحث کو مختلف لوگوں نے طرح طرح سے طے کرنے کی کوشش کی مگر الزہرا کو اس سے کوئی خاص واسطہ نہیں ہے۔ بہرحال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہوا اور خلیفہ اول مقرر کیے گئے۔

فراق پدری

سیدہ کی حالت روز بروز ابتر ہو رہی تھی اور کوئی لمحہ ایسا نہ جاتا تھا کہ وہ فراق پدری میں بے چین نہ رہتی ہوں۔ خلیفہ اول رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کی دلجوئی میں کسر نہ کرتے۔ مگر وہ کسی وقت اس صدمہ کو نہ بھولتیں۔

کس کا گھر اور کہاں کا شوہر، کیسے بچے اور کدھر کی زندگی ان کی آنکھوں میں دنیا اندھیر تھی۔ رات دن مزار مبارک پر بیٹھی آنسو بہاتیں اور جب نیند کا غلبہ ہوتا تو وہیں باپ کی پائنتی پڑ رہتیں۔ حسنین روٹی لے جاتے تو وہیں تھوڑا بہت کھا لیتیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لے جاتے۔ تسکین دیتے تو ان کے ساتھ گھر آ جاتیں۔ مگر جب دل میں ہوک اٹھتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی تو بے تاب ہو کر دیوانہ وار مزار مبارک پر گرتیں، روتیں اور کہتیں۔

”آج میرا باپ مجھ سے جدا ہو گیا۔ وہ شمع جس نے عرب کے جنگل روشن کر دیئے گل ہو گئی۔ اب دنیا کی مصیبتیں میرے سامنے ہیں اور میں بن ماں کی بچی فاطمہ اس وقت باپ کے فراق میں رو رہی ہوں۔

قیامت خیز تھی وہ رات جس نے میرے سر پر مصیبت کا پہاڑ ڈھا دیا میری زندگی بری ہے جو اس صدمہ سے بھی ختم نہ ہوئی۔

میرے باپ کی روح پرواز کر گئی۔ مگر جسم اطہر اس خاک کے اندر زندہ ہے اور میری حالت دیکھ رہا ہے۔

اے اللہ تعالیٰ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میری دعا پر آمین کہہ۔ اللہ العالمین مصیبت زدہ بیٹی کو اس کے باپ سے ملا دے اور اس کی آنکھیں روشن کر۔

مزار مقدس کی خاک پاک سیدہ کا اوڑھنا اور بچھونا تھا۔ آدھی آدھی رات اسی طرح بسر ہو جاتی اور ان کا دل نہ سنبھلتا۔ کبھی حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر رو دیتیں اور کبھی حسین رضی اللہ عنہ کو گود میں لے کر بلبلاتیں اور کہتیں۔

حسنین تمہارے نانا اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ﷺ مجھ کو چھوڑ گئے۔ وہ یہاں زندہ ہیں مگر حسنین تمہاری ماں مرگئی اور مدینہ منورہ اجڑ گیا۔"

ملا حسن شیرازی لکھ رہا ہے کہ ایک رات اسی طرح ماہئ بے آب کی طرح فراق پدری میں تڑپتے تڑپتے مزار مبارک سے لپٹے ہوئے سیدہ کو نیند آ گئی تو کیا دیکھتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ تشریف لائے اپنے دست مبارک سے بچھڑی ہوئی بچی کے چہرے سے خاک پونچھی پیشانی کو بوسہ دیا اور رو کر فرمایا۔

"میری جان! میں تجھ سے خود ملنے کا منتظر ہوں۔ فاطمہ جنت تیرا انتظار کر رہی ہے خوش ہو جا کہ جلد مجھ سے ملے گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کر کہ وہ تیری تکلیفوں کا خاتمہ کر دے۔"

سرور کائنات ﷺ کا چہرۂ اقدس نظر آتا تھا کہ سیدہ فرط محبت سے بے تاب ہو کر اٹھ بیٹھیں اور چاروں طرف دیکھنے لگیں کہ شاید حضور اکرم ﷺ نظر آ جائیں۔ اس وقت دل کی حالت بہت خراب تھی۔ کلیجہ نکلا پڑ رہا تھا اور جس صورت کے فراق نے خاک میں ملا دیا تھا کہیں نظر نہ آتی تھی۔ کلیجہ مسوس کر رہ گئیں۔ آنسوؤں کا دریا آنکھ سے بہہ رہا تھا۔ دنیا عالم خواب میں تھی اور رسول زادی اپنے باپ کی یاد میں مزار اقدس پر آنسو کے قطرے گرا رہی تھی۔ اٹھ کر وضو کیا اور دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد دعا کی کہ "الٰہ العالمین تیرے رسول کا فراق تیرے لیے نعمت اور میرے لیے مصیبت ہے۔ فاطمہ تیری کنیز تیری درگاہ سے مایوس نہیں ہوئی۔ تو میرے دل کی کیفیت دیکھ رہا ہے میں بے تاب ہوں اور اس صدمہ نے میری جان پر بنا دی ہے رحم کر اور اے دونوں جہاں کے بادشاہ مجھ کو میرے باپ سے ملا دے۔"

رسالت مآب ﷺ کی رحلت پر ابوسفیان نے جو مرثیہ لکھا۔ اس میں وہ اپنے حزن و ملال اور اس فراق کی حالت کو لکھتے ہوئے سیدہ کے رنج کو ان الفاظ میں ادا کر رہے ہیں۔ "فاطمہ سلام اللہ علیہا جس قدر غمگین ہوں کم ہے مگر وہ خوش ہو سکتی ہیں کہ ان کے باپ دنیا کے رہنما تھے۔"

منافقوں کی شرارت

ہم اس تکلیف کا ٹھیک اندازہ نہیں کر سکتے جو بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کو سرور عالم ﷺ کی رحلت سے پہنچی۔ رنج اور خوشی انسانی زندگی کے لوازم ہیں مگر خوش ہونا تو درکنار ان کے چہرہ پر باپ کے بعد کبھی مسکراہٹ تک نہ آئی بیٹے، بیٹیاں، شوہر، گھر، سب ہی سامان موجود تھے اور انسان کا دل بہلانے کو بھی سامان ہوا کرتے ہیں۔ مگر ان کی حالت رسول اکرم ﷺ کی رحلت سے اپنی رحلت تک روز بروز اور لحہ بہ لحہ بگڑتی گئی۔ روٹی پکا رہی ہیں۔ پکاتے پکاتے دفعتہً سرور عالم ﷺ کا خیال آ گیا اور آنسو نکل پڑے بچوں کے کپڑے سی رہی ہیں اور سیتے سیتے جہاں اس پاک ذات کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھری ایک ٹھنڈا سانس بھر کر ساکت ہو گئیں۔ حسنین علیہم السلام بچے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے سمجھانے میں تسکین دینے میں دلدہی میں کسی طرح کمی نہ کی مگر وہ پھانس جو چبھ چکی تھی نہ نکلی اور جو زخم اندر ہی اندر بڑھ رہا تھا کسی طرح نہ پھوٹا۔

ہر زمانہ اور ہر قوم میں ایسے اشخاص کا وجود ہوتا ہے جن کا نصب العین محض دو آدمیوں کو بھڑا کر سیر دیکھنا ہو۔ عرب میں ایسی کیا خصوصیت تھی وہ ان افراد کی ہستی سے محروم رہتا۔ ان لوگوں نے اپنی کارستانی تو رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں شروع کر دی تھی اور یہاں تک غضب ڈھا دیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ حالت نزع میں ہیں اور یہ حضرت علی کرم اللہ وجہ سے کہہ رہے ہیں کہ "دیکھو خلافت کے قصے کو طے کر لو۔ ورنہ بعد میں پچھتاؤ گے۔" مگر وہ تو حضرت علی کرم اللہ وجہ کی دانشمندی، خلوص اور عشق رسول ﷺ تھا جس نے ان کو اس طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔ جب وہ موقعہ ہاتھ سے نکل گیا تو ظالم اب پھر تاک میں رہے کہ کسی طرح کوئی نہ کوئی جھگڑا کھڑا کر دیں۔ وہی لوگ ہیں جو بظاہر مسلمان تھے اور دل مشرکوں سے بدتر اور اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو سیدہ جیسی معصوم و صابر و شاکر بی بی کو

بھڑکانا اور تکلیف پہنچا کر تماشہ دیکھنا ایک ایسا فعل ہے کہ جس سے زیادہ ظلم، جس سے بڑھ کر سنگدلی۔ جس سے بدتر وحشیانہ حرکت کا امکان نہیں۔ جو بی بی خود ہی مر رہی ہو۔ جس کو خود دنیا سے نفرت ہو۔ جو ہر وقت دنیا سے چلنے کے واسطے تیار اور باپ کے ہجر میں اس قدر بے قرار ہو کہ ساری ساری رات قبر پر پڑی روتی رہے۔ اس کا تماشہ دیکھنا ان ظالموں سے کم نہیں ہے۔ جنہوں نے سیدہ کے لال کو میدان کربلا میں تڑپتے دیکھا۔ جنہوں نے اہلبیت رسول ﷺ کو زینب وصغرا کو بے چادر یزید کے دربار میں دیکھا۔

وہ بی بی جو اس حالت میں نہیں۔ اس سے پہلے اس وقت جب باپ زندہ شوہر موجود، بچے موجود۔ اس درجہ ایثار کرے کہ متواتر فاقے ہوں۔ دو دو تین تین وقت اڑ کر ایک دانہ منہ میں نہ جائے۔ اور بے زبان بچوں کو کلیجہ سے لپٹا کر یاد الٰہی میں صبح کر دے اور پھر جو کچھ میسر آجائے وہ بھی سائل سے عزیز نہ رکھے پانچ وقت کے بعد پکی پکائی روٹی، اور تیار ہوا کھانا، ان معصوم آنکھوں کے سامنے سے اٹھا کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے۔ اس سے یہ توقع رکھنی کہ وہ دنیا کی فانی جائیداد اور املاک پر نظر ڈالے۔ "نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا" فدک کی ابتدا ان ہی کم بختوں سے ہوئی۔ جنہوں نے بھولی بھالی سیدانی اور سیدھی سادی "بنت الرسول" کو بہکا کر فدک کے دعوے پر آمادہ کر دیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو باڑ پر چڑھا لیا۔

فدک

اس سے پہلے کہ ہم فدک کی بحث شروع کریں۔ یہ کہہ دینا ضروری ہے۔ کہ بعض علماء اہل تسنن ہبہ فدک کے دعوے کو تسلیم کرنے میں متامل ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ سیدہ نے ہبہ فدک کا دعویٰ دائر نہیں کیا لیکن میراث فدک کا دعویٰ حضرت سیدہ کی طرف سے خلیفہ اول کے سامنے دائر ہوا۔ جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں۔ اس دعوے سے ہرگز ہرگز حضرت سیدہ کی شان میں فرق نہیں آتا۔ فدک کے دعوے میں حضرت سیدہ کی کسی ذاتی خواہش کو دخل نہ تھا۔ نہ ان کی حالت اس

قابل تھی کہ دخل ہو سکتا۔ وہ دنیا اور کائنات دنیا سے متنفر ہو گئی تھیں۔ ان کو اگر زندگی میں کوئی کام تھا تو وصال پدر باقی ہر چیز ہیچ اور بے سود۔ دعویٰ فدک دائر ہوا اور یہ ان ہی مفسدوں کی کوشش کا نتیجہ تھا۔ جو رسول اللہ ﷺ کی حالت مرض ہی سے اس فکر میں تھے اور اب اس صورت میں ظاہر ہوا۔

فدک درحقیقت ایک موضع ہے جو خیبر سے ایک منزل اور مدینہ منورہ سے دو ڈھائی روز کا رستہ ہے۔ جس میں کچھ کھجور کے درخت اور چشمے تھے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر پر "فے" کیا تھا۔ ("فے" کے معنی اس مال کے ہیں جو چیز کسی لڑائی کے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے مخالفین سے دلا دے۔ چنانچہ "فدک" بھی "فے" تھا جو رسول اکرم ﷺ کو ملا) ہجرت کے ساتویں سال یہ گاؤں سرور کائنات ﷺ کے پاس آیا۔ جب خیبر فتح ہو چکا اور مسلمان قابض ہو گئے تو باشندگان فدک کو جو یہودی تھے اندیشہ ہوا کہ اگر مسلمان نے فدک پر حملہ کیا تو فتح ضرور کر لیں گے۔ لیکن خوانخواہ خونریزی ہو گی اور جانیں ضائع ہوں گی۔ بہتر یہ ہو گا کہ ہم خود ہی مسلمانوں سے اس کے متعلق گفتگو کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنا پیغام سرور عالم ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ ان کا سردار یوشع بن نفرن تھا۔ جس کی طرف سے قاصد نے جا کر کہا۔ "آپ نصف فدک منظور فرمایئے اور ہم سے تعرض نہ کیجیے۔" چنانچہ آپؐ نے یہ درخواست منظور فرمائی۔ وہ لوگ بدستور رہنے لگے۔ سال ختم پر سرور عالم ﷺ اپنے آدمی بھیج دیتے تھے اور جو کچھ غلہ یہاں سے ملتا تھا وہ اپنے اہل وعیال کے واسطے رکھ کر باقی مسافروں کے واسطے دے دیتے تھے۔ جو ان کی مہمان نوازی میں صرف ہوتا تھا۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ نے فدک کو اپنے واسطے مخصوص کر دیا تھا اور اپنے اہل و عیال کے واسطے اناج رکھ کر جو بچتا تھا وہ ان مسافروں پر صرف فرما دیتے تھے جو اسلام کے سلسلے میں آتے تھے۔ اس لیے لوگوں نے حضرت سیدہ سے یہ کہا کہ "فدک رسول اللہ ﷺ کی ذاتی ملکیت ہے اور اس کی جائز وارث آپ ہیں۔ آپ کی موجودگی میں کوئی دوسرا وارث نہیں ہو سکتا۔"

خلیفہ اول نے سیدہ سے کہا "بنت الرسول اللہ ﷺ آپ کا دعوئ میراث حق بجانب نہیں ہے۔ کیونکہ انبیاءؑ کا ورثہ نہیں ہوتا۔ آپ کو خود رسول اکرم ﷺ کے الفاظ یاد ہوں گے اور آپ نے صریح الفاظ میں فرمادیا ہے۔

"لَا يُوْرَثُ نَحْنُ الْاَنْبِيَاءُ"

رسول اللہ ﷺ کی پاک زندگی کی حالت جاننے والے اچھی طرح واقف ہیں کہ آپ کا کوئی قول کوئی فعل ایسا نہ تھا جو مسلمانوں سے پوشیدہ ہو۔ یہ تو وہ وقت تھا کہ اگر ذرا کسی کی طبیعت کے خلاف آپ کی زبان مبارک سے کوئی لفظ نکلا یا شبہ کی گنجائش ہوئی تو فوراً اڑ گیا۔ اور جب تک تشفی نہ ہوئی آگے نہ بڑھا۔ جب عام مسلمانوں کی یہ کیفیت تھی تو سیدہ جو جگر گوشہ رسولؐ تھیں کس طرح رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے غافل ہوتیں۔ یا لاعلم ہوتیں۔ مگر اللہ تعالیٰ سمجھے۔ ان مفسدوں اور سب سے زیادہ جعفر ابن نصیر سے جنہوں نے معاملہ کو یہاں تک پہنچا دیا۔ خلیفہ اول کا یہ ارشاد سیدہ کے واسطے بہت کافی تھا باپ کا نام سنتے ہی ان کی چشم مبارک سے آنسو جاری ہوگئے اور وہ خاموش ہوگئیں۔

تصفیہ فدک:

جو بیج صدیوں سے پرورش پاتے پاتے آج اتنا گھنا درخت بن گیا ہے کہ اس کے کانٹے رستہ چلتوں کے کپڑے پھاڑ رہے ہیں اس کا اکھاڑنا تو درکنار اکھاڑنے کی کوشش اور خیال بھی ایک غلطی ہے۔ بعضوں کے عقائد میں بعض باتیں ایسی بھی معلوم ہوتی ہیں۔ جو اگر سچ سمجھ لی جائیں تو کم از کم سیدۃ النساء سلام اللہ علیہا کی اس شان کی جو ہمارے ذہن میں اس پاک بی بی کی ہے ضرور منافی ہیں ان کا خیال ہے کہ سیدۃ النساء کو خلیفہ اول سے پہلے تو ان کی خلافت ہی سے رنج پہنچا تھا۔ کیونکہ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا حق تھا۔ اس کے بعد دعوئ فدک کے خارج ہونے کا اتنا صدمہ ہوا کہ علی الاعلان انہوں نے خلیفہ اول کو برا بھلا کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہشت مشت ہوئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تمام رات ان کو

لیے ہوئے انصار اور مہاجرین کے پاس در در پھرتے رہے اور سب نے یہی جواب دیا کہ اب تم ہم مجبور ہیں بیعت کر چکے۔ اگر آپ پہلے سے فرماتے تو ہم ان کے ہاتھ پر بیعت ہی نہ کرتے۔

ان کی بعض کتابوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پہلے دعویٰ ہبہ کیا تھا جس پر خلیفہ اول نے شہادت طلب کی۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ام ایمن اور حسنین علیہ السلام کو انہوں نے پیش کیا۔ لیکن خلیفہ اول نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت اس لیے کہ وہ سیدہ کے شوہر ہیں نامنظور کر دی اور یہ کہہ کر شہادت کا نصاب پورا نہیں ہوتا دعویٰ خارج کر دیا۔

یہ کچھ انسان کی سرشت ہی معلوم ہوتی ہے کہ جب کسی شخص نے کوئی نمایاں کام شروع کیا یا وہ ممتاز ہوا تو اس کی کوئی ادا دوسروں کو نہیں بھاتی۔ پہلے اس کے کاموں میں نکتہ چینی ہوتی ہے۔ اس سے کام بن گیا۔ اور وہ ٹھنڈا ہو گیا تو فبہا، ورنہ کھلم کھلا مخالفت کی اور اگر زندگی میں کچھ حاصل نہ ہوا تو کم از کم مرنے کے بعد اپنی ایسی یادگاہ چھوڑ دی کہ دنیا آسانی سے کھرے اور کھوٹے میں تمیز کر لے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لے لیجیے یہودی کیا کہتے ہیں خود ان کی بابت ان کی مقدس اور بزرگ ماں مریم علیہا السلام کی بابت ان کی حوارئین کی بابت، عیسائی ہیں وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابت کیا کچھ نہیں کہتے۔ ان کی تعلیم و تلقین کے متعلق ان کی زندگی کے متعلق ان کے "اعیان و انصار" کے متعلق۔ مسلمانوں ہی کے اس گروہ کو لے لو جو "خوارج" و "نواصب" کے نام سے مشہور ہے کہ اہلبیت کی نسبت کیا عقیدہ رکھتا ہے۔ ان پر تبرا عین نجات اور برا کہنا مغفرت قطعی۔

علامہ شبلی مرحوم اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں کہ ایک موقعہ پر ایک عورت بھرا ہوا طباق میرے سامنے لائی کہ "یزید علیہ السلام کی نیاز دے دو۔" ابن ملجم شقی کو جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قاتل تھا۔ قابل ستائش سمجھتے ہیں۔ اس کی شان میں قصیدے کہے گئے جو اب تک موجود ہیں۔ اس زمانہ کو چھوڑ کر موجودہ زمانہ پر نظر ڈالو تو اب بھی یہ کلیہ حرف بحرف واقعیت کی میزان میں پورا اترے گا۔ مولانا شاہ

عبدالقادر۔ مولانا شاہ عبدالعزیز، سرسید کون تھا جو ہدف ملامت نہ بنا ہو لیکن سیدہ صلواۃ اللہ علیہا کے مقابلہ میں ان کے خیر خواہ نادان دوست سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ اپنی لغو عقیدت مندی سے ان کی ارفع و اعلیٰ شان کو کم کر دیا اور مابہ الامتیاز حسنات کو خاک میں ملا کر ہمارے ہی جیسا انسان بنا دیا۔

قضیۂ فدک پر ایک نظر:

سب سے پہلی بات خلافت کے متعلق ہے کہ سیدہ صلواۃ اللہ علیہا کو خلیفہ اول کی خلافت سے رنج پہنچا۔ اس لیے کہ انہوں نے خلیفہ ہو کر امیر علیہ السلام کی خلافت کو غصب کیا۔

یہاں دو باتیں پیدا ہوتی ہیں اول یہ کہ خلیفہ اول نے خلافت کو قابل غصب سمجھا۔ دوسرے سیدۃ النساء اس مزاج کی بی بی تھیں کہ اس کے نہ ملنے سے انہوں نے رنج محسوس کیا۔

ہم جہاں تک اس معاملہ میں غور کرتے ہیں ہم کو دونوں باتیں غلط معلوم ہوتی ہیں۔ اس زمانہ کی خلافت بادشاہی نہ تھی، ایک مصیبت تھی جو تمام ممکن ذمہ داریوں کا بوجھ "خلیفہ وقت" کی گردن پر رکھ دیتی تھی۔ خلیفہ اول کے امکان میں جہاں تک تھا انہوں نے اس سے گریز کرنا چاہا۔ خود وہی لوگ جو معترض ہیں اس انکار کے معترف ہیں۔

رہی دوسری بات کہ سیدہ ناخوش ہوئیں۔ افسوس اس سے بھی ہم کو اتفاق نہیں۔ صاحب عینی لکھ رہا ہے کہ جوں ہی امیر علیہ السلام کو خلیفہ اول کی خلافت اور بیعت کی خبر ہوئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فوراً بیعت کر لی اگر ہم اس کو بھی نہ مانیں تو وہ خلافت ایسی نعمت نہ تھی کہ امیر رضی اللہ عنہ و سیدہ رضی اللہ عنہا اس کے واسطے تڑپتے رہتے۔ ہم اس کو اگر تسلیم کر لیں تو اس کے وہ معنی ہوں گے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یعنی وہ شخص جس کی خدمات کا باپ نے عمر بھر اعتراف کیا۔ باپ کی آنکھ بند ہوتے ہی ناپائیدار دنیا کی عارضی خوشی کے واسطے بیٹی اس سے ایسی فرنٹ ہو گئی کہ وہ بدو

معمولی آدمیوں کی طرح لڑنے لگی۔

اس سلسلہ میں چار آدمی منسلک ہیں۔ شیخین، امیر علیہ السلام اور سیدۃ النساء۔ ان چاروں کے حالات پر ایک سرسری نظر ڈال کر ہم اس بات کا پتہ لگاتے ہیں کہ یہ خیال کس حد تک درست ہے۔

ان الفاظ کے علاوہ جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کی بابت فرمائے۔ ان کے خطابات "صدیق" و "فاروق" کو چھوڑ کر ہم دیکھتے ہیں کہ دشمن اسلام جو بلحاظ عداوت اب بھی قریش سے کم نہیں۔ اس کے سوا چارہ نہیں دیکھتے کہ ان کے خلوص اور ایمانداری کا اقرار کریں۔ ایک غیر مسلم جس کو اسلام سے پوری عداوت ہے یوں لکھتا ہے۔

"چاروں خلفاء کے اطوار صاف اور یکساں ضرب المثل تھے۔ ان کی کوششیں اور اہتمام خلوص سے لبریز تھا۔ انہوں نے با اختیار ہونے کے بعد اور عزت و ثروت پر بھی اخلاق اور مذہبی فرائض کے ادا کرنے میں کبھی کوتاہی نہ کی اور یہی لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی مشوروں میں شریک تھے۔"

سرولیم میور جو پڑھے لکھے مسلمانوں میں خصوصیت سے مشہور ہے لکھتا ہے۔

"آخری دم تک ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دماغ ان کے خیالات اور صفائی قلب تبدیل نہ ہوئی۔ بیت المال میں سے جو رقم لوگوں کے اصرار سے وقتاً فوقتاً لینی پڑی۔ وقت مرگ وہ تمام اپنی جائداد فروخت کر کے واپس کر دینے کی وصیت کر دی۔ تاکہ مسلمان اپنے روپے سے محروم نہ رہیں اور ان کا روپیہ خلیفہ وقت کے کام نہ آئے۔ عدالت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی۔ کتابت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہر معاملہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مشورہ کر لیتے تھے۔"

"خلیفہ اول" کے ان حالات کا یقین کرنے کے بعد جو مسلّم ہیں اور سیدۃ النساء کی اس طبیعت سے واقف ہو کر جو اوپر بیان ہوئی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ معاملہ کی نوبت یہاں تک پہنچ سکتی تھی۔ جیسا کہ سمجھا جاتا ہے۔ جو شخص ایک جانور کو دیکھ کر روئے اور یہ کہے کہ "یہ مجھ سے بدرجہا بہتر ہے اس لیے کہ عاقبت سے محفوظ

ہے" اور شب و روز اس خوف سے لرزا کرے کہ دیکھیے بعد موت حساب کتاب کے وقت کیا گزرے گی۔ اس سے اتنا بڑا ارتکاب کہ کسی معمولی آدمی کو بھی نہیں۔ "بنت الرسول" کو حق جائز سے محروم کر دے ہمارے قیاس میں نہیں آتا۔ خلیفہ دوم یعنی عمر رضی اللہ عنہ کی بابتہ دشمن اسلام یہ کہے کہ "عمر وہ شخص تھے۔ کہ جس کے فیصلے میں کبھی پاسنگ رکھنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔" کس طرح مان لیا جائے کہ رسول زادی کی توہین۔

جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ ہوئے اور اپنے زمانہ خلافت میں ایک روز رات کے وقت گلیوں میں پھر رہے تھے۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ مسجدیں بقعہ نور بنی ہوئی تھیں۔ بے ساختہ کہنے لگے۔

اللہ تعالیٰ عمر رضی اللہ عنہ کی قبر کو ایسا ہی روشن کرے جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے گھر روشن کر گئے۔

اب ہم اصلی معاملہ پر نظر ڈال لیں کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ممکن تھا کہ وہ سیدہ کو فدک دے دیں۔ اس سلسلہ میں ہم کو سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ جس وقت فدک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کو دیا، اس وقت اسلام کی مالی حالت کیا تھی۔ آیا اشاعت اسلام ایلچیوں کے مصارف، مہمانوں کے قیام غیر مسلموں کے حملوں وغیرہ وغیرہ کے لیے روپیہ کی جو ضرورتیں ہوتی تھیں اور اگر خود یہ ضرورتیں بآسانی پوری نہ ہو سکتی تھیں تو کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے یہ ممکن تھا کہ وہ بیٹی کو ۲۴ یا ۷۰ ہزار کی آمدنی کی جائیداد دے دیتے اور اسلام کی مطلق پرواہ نہ کرتے۔ فدک ہجرت کے ساتویں برس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں آیا ہے اور یہ وہ زمانہ ہے کہ مسلمان پیٹ بھر روٹی نہ کھا سکتے تھے۔ ان دنوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متواتر فاقے کیے ہیں۔ پیٹ پر پتھر باندھے ہیں۔ بال بچے روٹی کے نام کو ترستے اور ایک جو کا دانہ اڑ کر منہ میں نہ جاتا۔ دشمن ہر طرف سے نرغہ کیے ہوئے تھے۔ ایلچیوں کا تار بندھا ہوا تھا۔ جہاد کی ضرورت ہر لحہ آنکھ کے سامنے درپیش تھی اور آلات حرب کی ضرورتیں پوری نہ ہو سکتی تھیں۔ ایسے نازک زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو ترغیب دی جاتی تھی کہ وہ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں

صرف کریں۔ لوگ خود فاقہ کرتے، بچوں کو بھوکا رکھتے اور اپنا مال ''فی سبیل اللہ'' رسول اللہ ﷺ کے سامنے لا کر رکھتے اور ضرورتیں پوری نہ ہوتیں۔ رسالت مآب ﷺ ایک ایک کا منہ تکتے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے۔ ایسے مواقع کے سامنے آئیں حضرت محمد ﷺ جو اسلام کے عاشق ہوں۔ جن کو اسلام اور اسلام کی دھن کے آگے دنیا کی ہر شے ہیچ معلوم ہوتی ہو۔ ان سے یہ توقع رکھنا اور اس بات کو سچ سمجھنا کہ ''انہوں نے چونتیس ہزار یا ستر ہزار کی جائیداد الگ بیٹی کو دے دی۔'' رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے متعلق کیا بتاتا ہے؟ اور غیر مسلم اس سے کس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں؟ جو اصل مقصد ان کی زندگی کا ہے۔ وہ پورا نہ ہو اسلام خطرہ میں پڑا رہے اور ایک ایک پیسہ کو ترسے اور رسول اللہ ﷺ فدک سیدہ کو دے دیں اور باقی تمام عزیز و اقارب کو محروم کر دیں۔ توبہ توبہ۔

وہ پاک ذات جو مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجی گئی، جس کو اپنے نمونہ سے اہل دنیا کو زندگی کا سبق دینا تھا جس کو بتانا تھا کہ دنیا اور دنیا کی زندگی کیا ہے۔ جس کو زندگی سکھلاتی تھی۔ اس سے ایسا فعل، نعوذ باللہ۔ اور اس وقت کے مسلمان جن میں نئے نئے لوگ تھے۔ جن کا ذرا سے شبہ پر فرنٹ ہو جانا ممکن تھا اس فدک کے معاملہ سے کیا کچھ نہ کر گزرتے اور اسلام پر کیسے ثابت قدم رہتے۔ اس کے ساتھ ہی یہ خیال بھی پیش نظر رہے کہ سیدہ جیسی محترم بی بی جو رسول اکرم ﷺ جیسے باپ کی بیٹی تھی۔ اس کو روا رکھتی۔ کہ تمام عزیز محروم رہیں اور عزیز بھی وہ جن کی عظمت اور خدمت کا اللہ تعالیٰ معترف ہو اور خود فدک کی مالک ہو جائے؟

اگر یہ فدک کا مسئلہ صحیح سمجھ لیا جائے تو اسلام پر حرف آتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی شان ایسے فعل سے بہت ارفع و اعلیٰ تھی اور ہرگز ہرگز ایسا فعل ان سے سرزد نہ ہو سکتا تھا۔ کتب اہل تشیعہ ثابت کر رہی ہیں کہ غزوۂ آخر غزوۂ تبوک تھا۔ اور یہ وہ موقعہ ہے کہ افلاس و عسرت کی وجہ سے اس کا نام ''جیش العسرۃ'' مشہور ہے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کے اس غزوہ کے واسطے سامان کافی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیتیں نازل ہونا شروع ہوئیں مسلمانوں نے مدد دی مگر یہ کافی نہ ہو سکتی

تھی اس لیے اس آیت کا نزول ہوا۔

انفروا خفافاً و ثقالاً وجاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللّٰہ ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون۔ اس آیت کا نازل ہونا تھا کہ مسلمان فوراً اٹھے اور جس کے پلے جو کچھ تھا لا کر حاضر کرنا شروع کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا نصف مال لے آئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام، عبدالرحمن بن عوف، عباس بن عبدالمطلب، طلحہ بن عبداللہ، سعد بن عبادہ، محمد بن سلمہ۔ غرض اپنی اپنی حیثیت کے موافق جو جس سے بن پڑا لے آیا۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ جن کے پاس نقد نہ تھا۔ انہوں نے کھانے پینے کی چیزیں حاضر کیں۔ عاصم عدی نے سووسق خرمے۔ ابوعقیل انصاری نے سوا سیر چھوارے اور یہ وہ چھوارے تھے۔ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے اوپر رکھا۔ مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جن کی جانیں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سے قربان اور اسلام پر فدا تھیں۔ مگر روپیہ پیسہ تو درکنار ایک وقت کا کھانا بھی میسر نہ تھا۔ روتے ہوئے آئے اور عرض کیا "اے اللہ تعالیٰ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس سوا ہماری جانوں کے کچھ نہیں ہے۔ ہمیں سواری دیجیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلیں۔ اس پر سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "تم جو کچھ چاہتے ہو میرے پاس نہیں۔" یہ لوگ رونے لگے اور ان کی جماعت "بکائین" کی جماعت کہلاتی ہے۔ المختصر تیس ہزار مسلمانوں میں صرف ہزار سواریاں تھیں۔ باقی سب کے سب پیدل اللہ تعالیٰ کی راہ میں روانہ ہو گئے۔ یہ ایسا نازک سماں اور تنگی کا وقت تھا کہ لوگ روتے رہ جاتے تھے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی آرزو بوجہ عسرت کے پوری نہ فرما سکتے تھے۔ یہ ابتدائی حالت نہ تھی بلکہ ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مالی حالت ایسی ہی رہی۔ عمر کے سال آخر میں یعنی "حجۃ الوداع" کے بعد جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے ہیں تو امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث منقول ہے۔ اور اہل تشیع کی مشہور کتاب "کافی" میں درج ہے کہ "انصار رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر سے قاصد آتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ نہیں۔ ہم کو اجازت دیجیے کہ ہم کچھ خدمت کریں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس افلاس پر دشمن ہنستے ہیں۔

ان واقعات سے بالکل صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مالی حالت کیسی تھی اور مسلمان کس تکلیف کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ کیا ایسی حالت میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فعل کہ فدک جناب سیدہ کو دے دیں وہ لوگ جائز سمجھ سکتے اور رسول اللہ ﷺ کی مجبوری کو تسلیم کر سکتے تھے؟

علاوہ ان واقعات کے دو واقعے خود سیدہ کے ساتھ ایسے پیش آئے جو معاملہ کو قطعی فیصل کر رہے ہیں۔

صاحب قرب الاسناد۔ امام جعفر صادق کی روایت سے لکھتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ امیر علیہ السلام اور سیدۃ النساء سلام اللہ علیہا، رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے کہ کاروبار خانگی کی تقسیم فرما دی جائے سرور عالم ﷺ نے گھر کا کام زہرا علیہا السلام کے اور بازار کا تمام کام امیر علیہ السلام کے متعلق طے کر دیا۔ جس سے ظاہر ہے کہ کوئی نوکر یا خدمت گار موجود نہ تھا۔

صاحب علل الشرائع امیر علیہ السلام سے روایت کر رہا ہے کہ خانگی تکالیف سے اکتا کر سیدہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوئیں کہ کوئی خادم طلب کریں تا کہ پانی بھرنے، مشکیں ڈھونے اور چکی پیسنے سے جسم پر جو نشانات پڑ گئے ہیں اس مصیبت میں کچھ کمی ہو۔ سرور عالم ﷺ نے یہ ضرورت سن کر فرمایا کہ ”میں تم کو وہ چیز نہ بتاؤں۔ تم دونوں میاں بیوی کے حق میں خادم سے ہزار درجہ بہتر ہو تم روزانہ یہ پڑھا کرو۔“ سبحان اللہ ۳۳ بار۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ۳۳ بار۔ اَللّٰہُ اکبر ۳۳ بار اس کے بعد لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ اس واقعہ سے صریح ظاہر ہے کہ کبھی رسول اللہ ﷺ نے یہ نہ چاہا کہ اپنی اولاد یا عزیزوں کا درجہ عام مسلمانوں سے زیادہ کر دیں۔ اور ان کی آسائش کا خیال کسی حال میں دوسروں سے زیادہ نہ تھا۔ درحقیقت وہ خلق اللہ تعالیٰ کو ایثار علی النفس سکھانے آئے تھے کیا ایثار علی النفس کی تلقین کرنے والا انسان ایسا کر سکتا ہے کہ فدک اپنی بیٹی کو دے دے؟

صاحب عیوان الاخیار امام زین العابدین ؓ سے روایت کر رہے ہیں کہ اسماء بنت عمیس ؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے سیدۃ النساء سلام اللہ علیہا کے گلے میں سونے کا گلو بند دیکھا اور یہ امیر علیہ السلام نے ان کے لیے خریدا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا۔ "کیوں فاطمہ سلام اللہ علیہا لوگ تمہارا زیور دیکھ کر نہ کہیں گے کہ محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ جابرہ یعنی مغرور امیروں کا سا زیور پہنتی ہے۔" اتنا سنتے ہی سیدہ نے اسے توڑ ڈالا اور بیچ کر ایک غلام خریدا اور اسے راہ اللہ تعالیٰ میں آزاد کر دیا۔

زوارہ کافی میں امام باقر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک موقعہ پر سیدہ نے دو کنگن چاندی کے بنوائے اور ایک پردہ اپنے دروازہ پر لٹکایا۔ سرور عالم ﷺ سفر میں تھے جب واپس تشریف لائے تو سیدہ کے ہاں گئے۔ سیدہ ہشاش بشاش رسول اللہ ﷺ کی طرف دوڑیں۔ رسول اللہ ﷺ ہاتھوں میں کنگن اور پردہ دیکھ کر بغیر تشریف رکھے واپس چلے گئے۔ سیدہ رونے لگیں اور اسی وقت حسنین کو بلا کر ایک کو کنگن اور دوسرے کو پردہ دے کر فرمایا جاؤ اور کہو آپ ﷺ کی عدم موجودگی میں ہم نے یہ دونوں چیزیں بنائی ہیں۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ یہ حاضر ہیں۔ جو مناسب خیال فرمایئے وہ کیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے دونوں بچوں کے رخسار چوم لیے۔ گود میں بٹھایا اور حکم دیا کہ "یہ دونوں چاندی کے کنگن توڑ دو۔" اور اہل صفہ کو جن کا کوئی گھر در نہ تھا اور مسجد نبوی ﷺ میں پڑے رہتے تھے بلا کر چاندی کے کنگنوں کی تقسیم کر دی۔ انہیں لوگوں میں سے ایک کو جس کے پاس بدن ڈھانکنے کو چیتھڑا تک نہ تھا پردہ پھاڑ کر ایک ٹکڑا دے دیا اور جس قدر آدمی برہنہ تھے سب کو اسی طرح ایک ایک ٹکڑا دے کر فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ رحمت بھیجے فاطمہ سلام اللہ علیہا پر۔ ان کو جنت کے حلے دے۔ اس بخشش کے بدلے جو انہوں نے کی۔ اور اس پردے کے بدلے جس سے ننگے مسلمانوں کا بدن ڈھنکا اور جنت کا زیور پہنائے۔ ان کنگنوں کے بدلے جو انہوں نے غربا کو تقسیم کیے۔"

پھر ان واقعات کے بعد اب کون ایسا شخص ہوگا جو یہ یقین کر سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ستر ہزار کی جاگیر اپنی بیٹی کو عطا کر دی ہو؟

اب ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ایسا صدمہ نہ تھا۔ جو سیدہ جیسی بیٹی بآسانی برداشت کر سکتی یہ کہنا کہ ان کے ہوش و حواس میں اس واقعہ سے فرق آگیا یقیناً غلط ہوگا۔ مگر یہ کہنا قرین قیاس ہوگا کہ یہ وقت وہ تھا جب ہر بات کا اثر ضرورت سے زیادہ ان کے مزاج پر ہو رہا تھا۔ وہ فراق پدری میں ہر شے کو فراموش کر چکی تھیں۔ اور اگر شب و روز ان کو کچھ کام تھا تو باپ کی یاد میں گریہ وزاری۔ ان کو نہ خلافت سے واسطہ تھا، نہ فدک سے۔ جو صدمہ سیدہ کو باپ کے انتقال سے پہنچا۔ وہ زائل تو کسی طرح نہ ہو سکتا تھا۔ خواہ مخواہ کی رخنہ اندازیاں اور دھڑے بندیاں جو مسلمانوں میں پیدا ہو گئیں اور جس کی وجہ سے اسلام کو ناقابل برداشت نقصان اٹھانا پڑا اور پڑ رہا ہے سب بعد کے جھگڑے ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت تک ان کا مطلق پتہ نہ تھا۔ خلیفہ اول کے علم و فضل، ان کی اخوت و محبت اور سب سے زیادہ ان کی اسلامی خدمات اور اس ہی کے قریب شفقت رسول اللہ ﷺ بحیثیت مجموعی ایسی صفات تھیں جو ایک انسان کو کامل چھوڑ اکمل بنادیں۔

محی الدین ابن عربی ایک موقعہ پر لکھ رہے ہیں اور ان کے اس خیال کی تائد خود اسلام کر رہا ہے کہ "خلیفہ اول" کے ان احسانات کے علاوہ جن سے اسلام کسی طرح سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ ان کا علم و فضل، ان کا زہد و اتقا ان کی عبادت و ریاضت اس حد تک پہنچ گئی تھی اور دوران خلافت ہی میں نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی حیات میں کہ اگر چند روز رسول اللہ ﷺ اور زندہ رہتے تو قریب آ گیا تھا وہ وقت کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پردہ کرنے لگتے۔ باوجود اس حالت کے ان کو ہمیشہ یہ اندیشہ تھا کہ کہیں مجھ سے معاملہ میں غلطی نہ ہو جائے۔"

ایک روز اسی حالت میں وہ روزۂ اقدس پر حاضر ہوئے۔ پریشانی کا یہ عالم کہ کسی سے بات نہ کرتے تھے۔ آنکھ سے زار و قطار آنسو کی لڑیاں بہہ رہی تھیں۔

عشق رسول ﷺ کا یہ عالم تھا کہ روضہ اقدس کے روبرو آنکھ بند کر کے کھڑے تھے اور استغراق کی یہ کیفیت تھی کہ صبح کا نکلا ہوا آفتاب سر پر سے گزر گیا اور آفتاب بھی ہندوستان کا نہیں عرب کا۔ لیکن پاؤں نے اپنی جگہ سے جنبش نہ کی اور باوجود اس احساس کے جو انسانی ہستی مشکل سے کر سکتی ہے۔ ایسی خلافت کے فرائض انجام دیئے جس میں "امیر المومنین" کی وقعت ایک معمولی مسلمان سے زیادہ نہ تھی۔ الحق صدیق ہی جیسے بشر کا کام تھا۔ ہبہ فدک کے متعلق باوجود ایسے زبردست دلائل اور احادیث کے جو پیش ہو رہی ہیں۔ ہمارے دل کو بھی نہیں لگتا۔ ورنہ انگلی نکالنے کی بھی گنجائش مل جاتی۔ اس لیے ہم یقیناً یہ نہ کہیں گے کہ فدک کے معاملہ میں سیدہ کو کوئی رنج پہنچا۔ سیدہ فاطمہ الزہرا ؓ جیسی خاتون جو باوجود امکان کے بھی کبھی چار سیر آٹے یا دو سیر کھجوروں کی بھی مالک نہ رہی۔ ہزاروں درہم و دینار کی فطرتاً مالک بن ہی نہ سکتی تھی۔ قیاس میں نہیں آتا کہ نادان دوست کیوں ایسی عظیم الشان زندگی کو حرص دنیا سے ملوث کرتے ہیں؟

اگر سیدہ اس خلافت سے ناخوش ہوتیں تو جب انہوں نے خود یہ کہہ دیا تھا کہ "دوسرا خلیفہ منتخب کر لو۔ میں اس قابل نہیں ہوں۔" تو مسلمان "بنت الرسول ﷺ" کے رنج سے تغافل کرنے والے نہ تھے۔

حضرت ابوبکر ؓ نے علی الاعلان کہہ دیا تھا کہ "خلافت سے میں خوش نہیں۔ دوسرا خلیفہ مقرر کر لو۔" بڑے بڑے دور اندیش اچھے اچھے مبصر بڈھے تجربہ کار موجود تھے اور یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ اقدس کی زیارت ہی نہیں۔ بلکہ مدتوں خدمت کی تھی اسلام کے سچے عاشق اور عشق بھی کیسا فنا فی الاسلام، ایک صدیق ؓ ایک فاروق ؓ کیا ان کے سامنے تو فرشتہ بھی اسلام کے برخلاف ایسی بات کہتا کہ ان کے دل کو نہ لگتی تو تسلیم نہ کرتے لاکھ خلیفہ اول نے پیچھا چھڑانا چاہا۔ مگر موقع اتنا نازک اور لوگ ایسے کھرتل، دور اندیش سمجھدار کہ اسلام کے نام پر پسینہ کی جگہ خون بہانے کو تیار۔ وہ سنتے کس کی اور سمجھتے کس کو۔ مگر بعض آدمی ایسے موجود تھے۔ جو اسلام کی وقعت کو خاک نہ سمجھتے تھے۔

ہاں یہ ضرور سمجھتے تھے کہ اسلام بھی رسول اللہ ﷺ کی ملکیت ہے اور بیٹی داماد کے ہوتے دوسرا اس کا حقدار نہیں ہو سکتا لیکن خود سیدۃ النساء سلام اللہ علیہا کے دل میں اس کا خیال کبھی پیدا نہ ہوا۔

خلیفۂ اول سیدہ کے بعد زیادہ عرصہ تک زندہ نہیں رہے اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔

گو یہ بحث ہمارے موضوع سے متعلق نہ ہے۔ مگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خلیفہ دوم کے عہد میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کے ساتھ شیر و شکر تھے۔ انہوں نے ہمیشہ خلافت فاروقی'' کو عزت کی نگاہ سے دیکھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد یہ دھڑے بندیاں اور اختلاف جو آج سنی و شیعہ کی صورتوں میں ظاہر ہو رہا ہے شروع ہوا۔ مگر خلافت شیخین کو اس سے مطلق واسطہ نہیں ہے۔

خلیفہ دوم نے حسنین علیہ السلام اور امیر علیہ السلام کا امتیاز تادم واپسیں قائم رکھا۔ اور باوجود اور کسی معاملہ میں عمر بھر رو رعایت نہ کرنے کے اہل بیتؓ کے اعزاز میں فرق نہ آنے دیا۔ حسنین علیہ السلام کی وقعت کی جتنی توقع ہو سکتی تھی اس سے زیادہ کی یزدجزد (یزدگرد) کی بھانجی نوشیرواں کی پوتی شہر بانو جب گرفتار ہو کر پیش کی گئی ہیں۔ تو جو پوشاک اس کے جسم پر تھی وہ مال غنیمت میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم کی گئی۔ ہزار درہم کی تھی۔ مال تقسیم ہونے کے بعد جب شہزادی کی تقسیم کا وقت آیا ہے تو ہر متنفس بے تاب تھا کہ دیکھیے شہر بانو کس کے حصہ میں آتی ہے۔ ''خلیفہ دوم'' نے اس کے احترام کو ملحوظ رکھ کر فرمایا۔

''تم دنیا کی شہزادی تھیں۔ آج سے میں تم کو دین کے شہزادے کے سپرد کرتا ہوں۔'' اور امام حسین علیہ السلام کے حوالہ کر دیا۔ یہ وہی شہر بانو ہیں جو میدان کربلا میں ''امام عالی مقام'' کے ساتھ تھیں۔

مختصر یہ ہے کہ ابتدا تا انتہا ہم کو کوئی بات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی لڑائی جھگڑے کی نظر نہیں آتی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اخیر وقت تک ناخوش رہیں اور ایسی کہ مرتے دم تک بات نہ کی۔ جنازے پر نہ آنے دیا۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں، جو سمجھے

جا رہے ہیں۔

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ سیدہ کے مزاج میں شرم وحیا بدرجہ غایت تھی۔ انہوں نے واقعی اپنے جنازے پر کسی کو نہ آنے دیا لیکن "کسی" سے مطلب شیخین سے نہیں۔ بلکہ نامحرم شخص سے ہے۔ انہوں نے وصیت کر دی تھی کہ۔

"میرے جنازے کو کوئی غیر شخص ہاتھ نہ لگائے اور نہ کسی کی نظر میری میت پر پڑے۔"

سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی رحلت

رسول اللہ ﷺ کے بعد اگر کوئی دل خوش کرنے والا خیال تھا تو صرف وہ الفاظ جو آپ نے سیدہ کے اضطراب میں آخر وقت فرمائے تھے۔

"فاطمہ سلام اللہ علیہا سب سے پہلے محمد ﷺ سے تم ملو گی۔"

کیونکہ رسالت مآب ﷺ کے انتقال فرماتے ہی سیدہ رضی اللہ عنہا کا دل دنیا کی بے ثباتی سے اکھڑ گیا تھا۔ وہ ماں اور بیوی ہونے کی حیثیت سے اپنے فرائض کو اچھی طرح سمجھتی تھیں اور اس لیے کہ اسلام نے اجازت نہیں دی۔ موت کی متمنی بھی نہ تھیں۔ مگر اس محبت کا اندازہ بہت مشکل ہے جو سیدہ کو رسول اللہ ﷺ سے تھی۔ ماں کی محبت ان میں مضمر، باپ کی محبت ان میں ظاہر اور اس پر طرہ رسول اللہ ﷺ کی محبت، گویا تین محبتیں ایک سیدہ کے قلب میں۔ رسول اللہ ﷺ کے چہرہ اقدس کی زیارت کروں۔ باوجود اس ادھیڑ بن کے انہوں نے رحلت کے چند گھنٹے پیشتر دونوں بچوں کو اپنے ہاتھ سے نہلایا ہے۔ آخر وقت تک ان فرائض میں مطلق تساہل نہ کیا جو ایک ماں اور بیوی کے واسطے انجام دینے ضرور ہیں۔ اس حالت میں بھی جیسا کہ زندگی کے اس آخری حصہ کو کہا جاتا ہے کہ انتہائے مصائب نے انہیں مصیبتوں کی پوٹ بنا دیا تھا۔ اور فریقین اس کے معترف ہیں کہ خانہ داری کی مصروفیت، بچوں کی تربیت، شوہر کی خدمت، انہماک عبادت کسی میں ذرہ بھر فرق نہ آیا۔ اکثر رات کے وقت روضہ اقدس پر حاضر ہوتیں اور بعد عشاء وہیں عبادت

میں مصروف رہتیں۔

اس وقت سیدہ کی جو حالت تھی ہم الفاظ میں اس کو بیان نہیں کر سکتے۔ باپ کی موت یقیناً مصیبت کا ایک پہاڑ تھی اور جیسا کہ عام دستور ہے۔ خیال تھا کہ رفتہ رفتہ یہ صدمہ زائل ہو گیا۔ مگر برعکس اس کے جوں جوں دن گزرتے تھے، ان کی طبیعت زیادہ متاثر ہوتی جاتی تھی۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر بچوں نے دلداری اور شوہر نے دلجوئی میں کمی نہ کی۔ مگر یہ صدمہ کچھ ایسی بری طرح ہاتھ دھو کر پیچھے پڑا کہ نقاہت روز بروز زیادہ بڑھتی گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وصال فرمائے تین ہفتہ بھی نہ ہوئے تھے کہ وہ ایک روز رات کے وقت تہجد میں مصروف تھیں اور یہ وہ روز تھا کہ اس روز گھر میں کچھ پکا پکایا نہ تھا اور سب فاقے سے تھے۔ امیر علیہ السلام اور بچے بے خبر پڑے سوئے تھے اور وہ دو وقت کی بھوکی اللہ تعالیٰ کے حضور میں کھڑی تھیں۔ قدرت کے انتظام سب کے لیے برابر ہیں۔ دفعتہً چکر آیا اور اس زور سے گریں کہ سخت چوٹ آئی۔ ان اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو ڈاکٹر یا حکیم تو کیسا ہلدی چونہ بھی نہ جڑتا تھا۔ اس دھما کے سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا بے ہوش پڑی ہیں۔ بے چین ہو گئے۔ مٹی سنگھائی۔ منہ پر پانی چھڑکا۔ کچھ دیر بعد جو سیدہ کو ہوش آیا تو امیر علیہ السلام کے آنسو سیدہ کے چہرے پر گر رہے تھے۔ دیکھ کر بے تاب ہو گئیں اور کہا۔

"علی کرم اللہ وجہہ کیوں روتے ہو۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کچھ دیر خاموش رہے اور پھر کہا۔

"اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھ رہا ہوں کہ آج دو وقت سے ہم میں سے کسی کے منہ میں دانہ تک نہیں گیا۔ اسی وجہ سے تم کو چکر آیا اور گر پڑیں۔ ان تکلیفوں کا بدلہ اللہ تعالیٰ ہم کو جنت میں دے گا۔"

سیدہ نے شوہر کی یہ گفتگو سن کر آسمان کی طرف دیکھا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ مگر یہ چوٹ مرض کی ابتدا ہو گئی۔ اب ان کو زیادہ دیر تک کھڑے رہنے اور

زیادہ دور تک چلنے پھرنے میں تکلیف ہوتی تھی اور روضہ اقدس پر بھی کم آتی جاتی تھیں۔ اس کمی نے گھٹ گھٹ کر اور بھی بے قرار کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کا ایک پیرہن مبارک ہر وقت ہاتھ میں ہوتا۔ اس کو آنکھوں سے لگاتیں۔ سر پر رکھتیں، سونگھتیں اور روتیں۔

بیوی کی یہ کیفیت دیکھ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی پریشانی بڑھتی جاتی تھی۔ وہ ہر چند سمجھاتے اور تسلی دیتے تھے۔ مگر فراق پدر ایسی چیز نہ تھا کہ اس کا صدمہ زائل ہو جاتا۔ جب حالت زیادہ خراب ہونے لگی تو ایک روز سیدہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے درخواست کی کہ۔

"علی کرم اللہ وجہہ زندگی کا بھروسہ نہیں۔ حالت روز بروز بگڑ رہی ہے۔ مجھ کو ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے مزار مبارک کی زیارت کرا دو۔ دل تڑپ رہا ہے۔ طبیعت بے چین ہے۔ چاہتی ہوں کہ کچھ دیر خدمت اقدس میں حاضر رہوں۔ اور جانتی ہوں کہ مزار مبارک کی خاک میری اس گھبراہٹ کو کم کر دے گی۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیوی کی یہ درخواست سن کر فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور ساتھ لے کر روضہ مبارک پر آئے۔ یہاں پہنچنا تھا کہ سیدہ کا اضطراب اور زیادہ بڑھا۔ دیر تک مزار سے لپٹی پڑی رہیں۔ اور خاک مزار منہ ہاتھ پر ملتی رہیں۔ جب وہ بے چینی فرو ہوئی تو گھر تشریف لائیں۔ اس وقت انہیں مواخذۂ آخرت کا تصور بندھا اور خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہونے کے واسطے میں اپنے ہمراہ کیا تحفہ لے جا رہی ہوں۔ اس خیال نے اور مضطرب کر دیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا۔ "فاطمہ سلام اللہ علیہا تمہاری بابتہ رسول اللہ ﷺ فرما چکے ہیں کہ تم خاتون جنت ہو۔ پھر کیوں پریشان ہوتی ہو۔"

جواب دیا۔ "ہاں! مگر خاتون جنت ہونے سے پہلے تمام عمر کی جواب دہی کرنی ہے۔"

سیدہ موت کی متمنی نہ تھیں۔ وہ یہ بھی کوشش کرتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کا صدمہ ان کے دل سے زائل ہو جائے۔ جانتی تھیں کہ حسنینؓ جیسے لال بن

ماں کے ہو جائیں گے۔ جو شفقت اور دلجوئی میں کر رہی ہوں میرے ہی دم تک ہے۔ میرے بعد کوئی بیٹھا ہے جو ان کو کلیجے سے لگائے گا۔ اور میٹھی نیند سلائے گا۔ اگر رسول اللہ ﷺ جیسے باپ کی جدائی تھی تو ادھر علی کرم اللہ وجہہ جیسے شوہر، حسنین رضی اللہ عنہ جیسے بچوں، زینب اور کلثوم رضی اللہ عنہما جیسی بچیوں کی۔ مگر اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ سیدہ کا سایہ بچیوں پر زیادہ عرصہ تک نہ رہے۔ ایسی حالت میں خود سیدہ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے سوچا کہ نامحرم میرے جنازے کو ہاتھ لگائیں گے۔ آج تک کسی نامحرم کی نظر میرے چہرے پر نہیں پڑی۔ اس خیال کے آتے ہی انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ میری میت کو نامحرم ہاتھ نہ لگائے۔ رات کے وقت دفن کر دینا۔

یہ خیال اس حد تک ترقی کر گیا کہ ان کو گہوارہ کی صورت پر بھی اطمینان نہیں ہو اور خود گہوارہ تجویز کیا۔ جس میں آج تک مسلمان عورتیں اپنے گھروں سے رخصت ہو کر قبروں میں پہنچتی ہیں۔ موجودہ گہوارہ جس میں قد وقامت جسم کسی چیز کا نامحرم کو پتہ نہ چلے۔ سیدہ کی تجویز ہے۔

پانچ چھ روز اس کے بعد اور گزرے۔ اب چلنے پھرنے کی طاقت اچھی طرح نہ تھی بچے ہر وقت ماں کے کلیجے سے لگے رہتے تھے۔ ان کو چمٹائے ہوئے روتی تھیں اور ان معصوموں کی آئندہ حالت کا خیال کر کے ماںتا کے جوش میں بیتاب ہو جاتی تھیں۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ باہر سے تشریف لائے تو دیکھا کہ تھوڑی سی مٹی گھلی ہوئی ایک برتن میں پاس رکھی ہے۔ میلے کپڑے انگنی پر ڈھلے پڑے ہیں۔ چکی پیس رہی ہیں۔ اور رو رہی ہیں۔ یہ کیفیت دیکھ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ضبط نہ ہو سکا اور کہا۔

"فاطمہ سلام اللہ علیہا تمہاری حالت اس قابل نہیں ہے۔"

شوہر کے اس کہنے سے جی بھر آیا۔ زیادہ رونے لگیں۔

تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سیدہ رضی اللہ عنہا کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

خاموش ہوئیں اور کہا۔

"علی کرم اللہ وجہہ! رات کو میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کسی کے منتظر ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میری حالت خراب ہے۔ جدائی کا زمانہ قیامت ہو گیا تو فرمانے لگے۔

"فاطمہ سلام اللہ علیہا تم کو لینے آیا ہوں، اٹھو چلو، بچوں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو اور جنت کی سیر دیکھو۔" علی کرم اللہ وجہہ مجھ کو یقین ہے کہ موت کا وقت قریب آ گیا۔ مٹی اس لیے گھولی ہے کہ بچوں کو اپنے ہاتھ سے ایک دفعہ اور نہلا دوں۔ کپڑے اس لیے ہیں کہ بدن کے کپڑے اپنے سامنے بدل دوں۔ جو اس لیے پیس رہی ہوں کہ میرے بعد تم اور بچے بھوکے نہ رہو۔"

"فاطمہ سلام اللہ علیہا کیا کہہ رہی ہو۔ ابھی رسول اللہ ﷺ کا صدمہ تازہ ہے اور تم ایسی باتیں کر رہی ہو۔"

آپ نے فرمایا۔ "جو اس میں کیا۔ اس میں بھی کرتا۔"

اس کے بعد آپ نے بچوں کو قریب بلایا۔ ان کے سر پر ہاتھ پھیرے اور گلے لگایا۔ روئیں، رو کر کہا کہ:

"پیارے بچو! جاؤ نانا کے مزار پر حاضر ہو۔ اور میرے لیے دعائے مغفرت کرو۔"

دونوں بچے روتے ہوئے روضہ اقدس پر حاضر ہوئے۔ مگر فوراً ہی الٹے پاؤں واپس آ گئے۔ تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے بچوں کو گلے لگا لیا اور کہا۔ "کیوں واپس چلے آئے۔" دونوں بچے رو رہے تھے۔ اور ماں کے گلے میں ہاتھ ڈالے ایک لمحہ کو علیحدہ نہ ہوتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے پانی پلایا اور پوچھا کہ "تم کیوں چلے آئے" تو دونوں نے کہا کہ۔ "ہم کو روضہ اقدس پر ایسا معلوم ہوا کہ کوئی کہتا ہے۔ حسنین! تمہاری ماں دنیا سے رخصت ہوتی ہے۔ چند گھڑی کی مہمان ہے۔ ان کی خدمت میں حاضر رہو اور اس چہرے کی زیارت کرتے رہو۔ جواب چھوٹتا ہے۔"

اب سیدہ کو اپنی رحلت کا پورا یقین ہو گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلا کر کہا۔
''تین درخواستیں کرتی ہوں، قبول کیجیے۔''
''اول یہ کہ میری خطا اور قصور معاف کرنا۔''
''دوسرے یہ کہ جنازہ رات کے وقت اٹھانا اور کسی نامحرم کو ہاتھ نہ لگانے دینا۔''
''تیسرے یہ کہ بن ماں کے بچوں کی دلداری میں کمی نہ کرنا۔ ان کے سر سے ماں کا سایہ اٹھتا ہے۔ ان کے دل کمزور۔ ان کے حوصلے پست اور ان کے جسم ناتواں ہیں۔ مگر ان کی باتیں بھولی۔ ان کی ضدیں سچی اور ان کی ہٹیں درست ہوں گی۔''
امیر علیہ السلام رونے لگے اور فرمایا ''تم بھی میری غلطیوں کو معاف کر دینا۔''
اس کے بعد سیدہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا۔ ''بچوں کو لے کر روضہ اقدس پر چلے جاؤ۔'' جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ چلے گئے تو وضو کیا۔ سپید کپڑے بدلے اور اسماء سے کہا۔ ''علی کرم اللہ وجہہ سے کہہ دینا۔ اسی لباس میں غسل دیں، برہنہ نہ کریں۔''
اب حالت زیادہ بگڑ رہی تھی۔ قبلہ کی طرف منہ تھا۔ اور مناجات میں مصروف تھیں۔ رمضان المبارک کی تیسری تاریخ کو منگل کے روز مغرب و عشاء کے مابین مدینہ منورہ کی اس شہزادی نے دنیا سے رحلت فرمائی۔

خاتمہ

آج چھ مہینے کے بعد قلم کا مسافر تھکا مارا منزل مقصود پر پہنچتا ہے ریگستان عرب کی مسافت خاصی زحمت تھی۔ قدم قدم پر ٹھوکریں۔ کوسوں سناٹا، آدمی نہ آدم زاد، پانی نہ پتہ، اختلافات باہمی لو کے گرم تھپیڑوں اور باد سموم سے کم نہ تھے۔ تاریخ کی خموشی نے وسیع میدان میں ایسا اندھیرا گھپ کیا تھا کہ منزلیں طے ہو گئیں اور راتیں ختم، مگر ٹمٹماتا ہوں چراغ بھی نظر نہ آیا۔ ہمت پہلے ہی مرحلے میں پست ہو چلی تھیں۔ جہاں تک نظر جاتی تھی عالم سنسان تھا۔ تعجب یہ ہے کہ بڑے بڑے اولوالعزم شجاع اس رستہ سے گزرے۔ مگر کوئی نقش پا ایسا نہ چھوڑا کہ بھولا بھٹکا

مسافر پار ہو جاتا۔ رات کی تنہا گھڑیوں میں کوئی روشنی ہی رہبری کر دیتی۔ جی چھوٹ چلا تھا۔ مگر سیدہ کی عظمت دل کے کان میں یہ صدا دے رہی تھی کہ ہمت میں کمی نہ ہو۔ بیڑا پار کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اب یہ صدا پوری ہوئی اور مہینوں کی محنت اس وقت ٹھکانے لگتی ہے۔ کہنے کو یہ سفر کٹھن تھا مگر دل کی لگی نے خزاں کو بہار بنا دیا۔ عقیدت کا فرشتہ باواز بلند کہہ رہا تھا کہ سیدہ کی شاہانہ سواری کوئی دم میں نظر آئی۔ اور یقین کی آنکھیں اپنی دھن میں چشم پارہ تھیں۔ کیسی پر لطف تھیں وہ راتیں جو اس انتظار میں صبح ہوئیں اور کتنے مبارک تھے وہ دن جنہوں نے گھنٹوں اس تخیل سے دماغ کو معطر رکھا۔ منزل پر پہنچ کر آرام مل گیا۔ تکان دور ہوئی۔ مگر میں ہی جانتا ہوں کہ مجھ پر کیا گزری۔ جو امید برسوں سے دل میں پل رہی تھی اور جو خیال دماغ میں پک رہا تھا آج وہ سب جدا ہوتے ہیں۔

جنت البقیع میں آرام کرنے والی بی بی کا جسد خاکی قیامت کی نیند سو رہا ہے۔ اس جواں مرگ سے خانہ امیر کا وہ چراغ گل ہوا جو دوبارہ روشن نہ ہو سکا اور بچوں کے سر سے ایک ایسا وارث اٹھ گیا۔ جس کی محبت بھری باتیں اور شفقت آمیز نظریں پھر سننی اور دیکھنی نصیب نہ ہوئیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی مصلحت اسی میں تھی، زندگی ہوتی مصائب کی انتہا اور صدمات کی حد آخر۔

شہادت اہل بیتؑ

اس وقت چشم بینا اس وادی پر خار سے نکل کر دوسرا منظر دیکھتی ہے کربلا کا جلتا بھلستا میدان دور تک پھیلا ہوا ہے۔ ہوا طبقہ دوزخ کو مس کرتی ہوئی یہاں پہنچ جاتی ہے۔ آفتاب انگارے برسا رہا ہے اور اس ہولناک میدان اور قیامت خیز عالم میں سیدہ کا لال اپنی ناموس کو لیے ششدر و حیران کھڑا ہے۔ آنکھیں پانی کی صورت کو تین روز سے ترس گئیں۔ دریا آنکھوں کے سامنے لہریں لے رہا ہے۔ مگر اتنی اجازت نہیں کہ آنکھ اٹھا کر دیکھ لے۔ دودھ پیتے بچوں کی زبانیں باہر نکل پڑیں۔ ماؤں کے دودھ خشک ہو گئے۔ بھانجے، بھتیجے تڑپ تڑپ کر آنکھوں کے

سامنے دم توڑ رہے ہیں۔ دل میں ذکر اللہ تعالیٰ اور زبان پر شکر اللہ تعالیٰ ہے۔ میزبان دشمن نکلے اور مسلمان خون کے پیاسے، نانا کا کلمہ پڑھنے والی قوم جان کی خواہاں اور آبرو کی لینے والی ہے۔ ایک تن واحد سید مظلوم کے واسطے ہزاروں تلواریں میان سے باہر آ گئی ہیں جنگل کے چرند، کچھاروں کے درند۔ ہوا کے پرند۔ فرات سے سیراب ہو رہے ہیں۔ مگر "اہلبیتؑ" پانی کے ایک ایک قطرے کو ترس گئے۔ معصوم بچے اور بھولی سیدانیاں خاموش ایک دوسرے کا منہ تک رہی ہیں۔ خیال تھا کہ آج ظالم ستم سے باز آ جائیں۔ مگر تیسری رات بھی حسینی قافلہ پر صاف گزر گئی اور میدان کربلا میں سوا جلتی بھلستی ریت اور لو کے گرم جھونکوں کے کچھ میسر نہ آیا۔ صبح صادق کے سہانے وقت میں اِدھر آواز دہل نے باواز بلند عارضی دنیا اور فانی حکومت کی بے ثباتی کا اقرار کیا اور اُدھر شہنشاہ لازوال کی طاقت وقدرت کا پیغام ہوا میں گونجا۔ پتے لرز گئے۔ زمین دہل گئی۔ اور فرات اس نام سے تھرا گیا۔ مگر نہ پسیجے دل تو ان ہی شقی القلب کلمہ گو مسلمانوں کے جو بے بس و بے کس امام کے قتل پر کمر بستہ تھے۔

فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے پوتوں کی شہادت

جب خدائی پیغام پر علمدار کی سریلی آواز نے علی الاعلان کہا ہے۔

اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ

تو صدائے حق سنتے ہی مصیبت ماروں کی آنکھ سے آنسو گر پڑے۔

شہربانو آگے بڑھیں اور کہا۔

"امام عالی مقام! جس روز سے خدمت میں حاضر ہوئی آج تک کسی خواہش کا اظہار نہ کیا۔ مگر آج ایک درخواست پیش کرتی ہوں۔ قبول فرمائیے اصغر میری ڈیڑھ سال کی امانت ہے۔ بیمار صغریٰ مجھ سے جیتے جی چھوٹ گئی۔ نہ معلوم زندہ ہے یا تڑپ تڑپ کر رخصت ہوئی۔ اب یہ لال بھی کوئی دم کا مہمان ہے۔ دودھ خشک ہو چکا۔ بدنصیب ماں اس قابل نہیں کہ اس کے لب تر کر دے۔ آواز

روتے روتے کمزور پڑ گئی۔ ڈگر ڈگر آنکھیں اور حسرت بھری نگاہیں باقی ہیں۔ آنکھ کھولتا ہے اور اس توقع پر میرے چہرے کو دیکھ لیتا ہے کہ دودھ پلا دوں۔ اگر خلاف مرضی نہ ہو تو میرے لال کی حالت دشمنوں کو دکھا دیجیے۔ اور اس اذان کا واسطہ اذان والے کا صدقہ دے کر دو گھونٹ پانی اس کے حلق میں ڈلوا دیجیے شاید اسی بہانے سے اصغر کی زندگی ہو جائے لُو سخت ہے اور نرم رخسار مرجھا چکے ہیں۔ للہ اپنے دامن سے ڈھانک لیجیے اور کلیجہ سے لگا لیجیے۔"

(تاریخی تحقیق یہ ہے کہ علی اصغر کی ماں ام رباب دختر ام القیس کلبی تھیں۔ بی بی شہر بانو تو امام ابن العابدین کی ماں تھیں۔ اور علی اکبر کی ماں ام لیلیٰ بنت میمونہ بنت ابوسفیان)

اتنا کہہ کر ماں تا کی ماری ماں نے اپنی اٹھارہ مہینے کی کمائی شوہر کی گود میں دے دی۔ بچہ نے محبت بھری نگاہ سے ماں کا چہرہ دیکھا گویا وہ نگاہیں کہہ رہی تھیں کہ یہ میرے آخری لمحے ہیں۔ اپنی صورت دکھا دو اور میری دیکھ لو۔ اس محبت کی تہہ میں موت کھیل رہی تھی۔ ماں نے ایک دفعہ بچہ کو اور پیار کیا اور امام عالی مقام باہر نکلے، بیوی کی التجا اپنی ماں تا، بات کی پچ۔ کلمہ حق کی حفاظت۔ رک رک کر قدم اٹھائے اور قریب پہنچ کر کہا۔

"کیوں ہنس رہے ہو؟ ڈرو اللہ تعالیٰ سے۔ میرا مذاق نہ اڑاؤ۔ کیا کہہ رہے ہو مشکیزہ نہیں ہے۔ آنکھیں کھولو اور دیکھو کیا ہے۔ یہ اس شخص کے کلیجے کا ٹکڑا ہے جس کا دل اللہ تعالیٰ کا رسول ﷺ تھا جس کا کلمہ پڑھتے ہو۔ اس کے پیارے کا پیارا ہے۔ پہچانو یہ بانو کی ۱۸ مہینے کی محنت اس کا وہ لال ہے جس کو دیکھ کر نہال ہوتی ہے۔ اس کی موت اس کو بے موت مار دے گی۔ دیکھو لُو کے جھکڑ اس پھول سے لال کو بھلسا رہے ہیں۔ تمہارا قصوروار میں ہوں۔ یہ معصوم بے گناہ ہے۔ اس کی ماں کا دودھ خشک ہو چکا۔ اس لال پر نو وقت کا فاقہ ہے۔ ایک گھونٹ پانی کا دے دو۔

امام کی تقریر ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ حرملہ بن کاہل کا تیر بچہ کے علقوم کے پار تھا۔ اصغر نے آنکھ کھولی۔ باپ کو دیکھا اور رخصت ہوا۔

امام بچہ کا مردہ کلیجہ سے لگائے واپس آئے اور کہا۔ "لو بانو اصغر سیراب ہو گئے۔ ماں نے ہاتھ پھیلائے۔ کپڑا ہٹایا تو کربلا کا ننھا سا مہمان باپ کے کلیجے سے چمٹا خون میں نہا رہا تھا۔

بچوں کو گود میں لینے والی مائیں ہمکتے بچوں کو کلیجہ سے چمٹانے والی مائیں شفقت بھری نظروں سے بچوں کو دیکھنے والے باپ اور پھول سے بچوں پر جان چھڑکنے والے باپ اس وقت کا اندازہ کر لیں کہ ماں باپ کا دل کیا کہہ رہا ہوگا۔

اصغر کی شہادت نے دونوں کا دل توڑ دیا۔ آسمان کی طرف دیکھا اور اللہ تعالیٰ کا شکر کیا۔ بڑے بچے علی اکبر رضی اللہ عنہ سے اب ضبط نہ ہوا، اور چاہا کہ دشمنوں کو ان کی سنگدلی کا مزہ چکھاؤں۔ میدان میں جانے کا قصد کیا تو ادب سے ہمت نہ پڑی۔ بدن پر ہتھیار لگا کر گردن نیچی کیے باپ کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ جس باپ کی گود میں ابھی ابھی ایک لال دم توڑ چکا ہے۔ اس کے سامنے جوان شیر کی وداع کیسی ہوگی۔ صاحب اولاد سمجھیں۔ امام کی آنکھ میں آنسو بھر آئے۔ بچہ کو کلیجے سے لگا کر کہا۔

"تمہاری اجازت دینے والا میں نہیں ہوں۔ اس پھوپھی سے اجازت لو جس نے ہزاروں ارمانوں سے جوان کیا ہے۔ راتوں جس کے کلیجے پر اور دنوں پر جس کے سینے پر لوٹے ہو۔"

باپ کی یہ تقریر سن کر علی اکبر رضی اللہ عنہ پھوپی کے پاس سرنگوں آ کھڑے ہوئے کچھ دیر خاموش رہیں۔ پھر ماما کا جوش اٹھا۔ بے تابانہ کلیجہ سے لگایا اور کہا۔ "رن کی تیاریاں ہیں؟ بسم اللہ کرو۔ باپ پر فدا ہونے کا یہی وقت ہے۔ چلو میں چل کر اجازت دلوا دوں گی۔"

دونوں پھوپی بھتیجے امام کے پہلو میں آ کھڑے ہوئے تو سید الشہداء نے بہن سے کہا۔ "تمہارے صاحبزادے جنگ کی اجازت کے واسطے اصرار کر رہے ہیں۔ بتاؤ کس دل سے اجازت دے دوں۔ ابھی اصغر کے آنسو چہرے پر موجود ہیں۔ آخر انسان ہوں۔ پہلو میں دل ہے۔ پتھر نہیں۔ تم ان کی پھوپی ہو، ماں بھی

ہو۔ بھائی کا لحاظ۔ بھتیجے کی محبت چھوڑ کر۔

"بیٹی ہو تم علی کرم اللہ وجہہ کی تم ہی فیصلہ کرو"۔

بھائی کی مصیبت، بھتیجے کی محبت دونوں باتیں آنکھ کے سامنے تھیں۔ علی اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک نظر پھوپی کی طرف اٹھائی۔ اس میں نہ معلوم کیا تھا۔ التجا تھی۔ منت تھی۔ خوشامد تھی کہ اس نگاہ نے پھوپی کو رضامند کرلیا اور انہوں نے کہا۔

"شوق شہادت رکنے والا نہیں۔ میں نے دل پر پتھر رکھ لیا۔ تم مرد ہو۔ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اجازت دو اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو"۔

علی اکبر رضی اللہ عنہ کا چہرہ بشاش ہو گیا۔ تو پھوپی نے کہا۔

"ماں کے گلے لگو۔ میں خدمت گزار تھی۔ حق دار یہی ہے جس نے دودھ نہیں، خون جگر پلایا اور حسرت بھری نظروں سے فیصلہ کی منتظر ہے۔ اجازت اس سے لو۔ جس کی کوکھ اجڑتی ہے۔ حکم اس کا لو۔ جس کا پھول دیکھتے ہی دیکھتے مرجھا گیا۔ اور جوان شیر آنکھوں سے اٹھتا ہے۔ جھک جاؤ اور دادی کی روح کا واسطہ دے کر اذن لو۔ بسم اللہ کرو"۔

ماں گم سم تھی، بچہ جھکا تو سر پر ہاتھ رکھا۔ دل امنڈ آیا تو منہ پھیر کر روئیں مگر آنسو خشک تھے۔ ضبط کیا اور کہا۔ "بسم اللہ سدھارو"۔

کربلا کے پیاسے مہمان کا لال میدان میں پہنچا۔ تو لعینوں نے کہا۔

"علی اکبر جوانی پر رحم کرو۔ بڑھیا ماں اور بدنصیب پھوپی تڑپ تڑپ کر مر جائے گی۔ حسین کی پرواہ نہ کرو۔ باپ تھوڑی دیر کا مہمان ہے۔ کیوں اس کا ساتھ دیتے ہو۔ دنیا کی بہاریں دیکھو اور دیکھنے دو۔ یزید کی بیعت قبول کرو اور ادھر آجاؤ"۔

بجلی کی طرح یہ الفاظ تمام جسم میں دوڑ گئے۔ غصہ کے مارے تھر تھر کانپنے لگے اور کہا۔

"شبیر کا شکوہ دل شبیر کے آگے
قرآں کی بدی کرتا ہے تفسیر کے آگے"

"تین دن کا بھوکا پیاسا ہوں، مگر تم جیسے کمینوں کو خون میں نہلا کر دنیا سے

سرخرو ہو جاؤں گا۔"

ایک متفقہ گروہ امام کے اس چاند پر ٹوٹ پڑا۔ منقذ بن مرہ عبدی کا نیزہ کلیجہ کے پار ہو گیا۔ امام عالی مقام بچہ کی لاش اٹھا کر لائے اور سپرد زمین کی۔

فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے نواسوں کی شہادت

نند بھاوجیں بھوکی پیاسی کھڑی اللہ اللہ کر رہی تھیں کہ دیکھیے کیا ظہور میں آتا ہے کہ اکبر کی لاش نظر آئی۔ مصائب کا خاتمہ ہو چکا تھا اور صبر و شکر کا وقت تھا۔ دونوں کی دونوں دوڑ کر لاش سے لپٹ گئیں۔ دشمن فتح کا نقارہ اور طبلی کا ڈھول بجا رہے تھے۔ امام نے خود ہتھیار زیب تن کیے تو لاش سے جدا ہو کر ادھر آئیں۔ یہ عجیب سماں تھا اور اس وقت وہ واقعہ پیش آتا ہے جو بہن بھائیوں کی سچی محبت کا قیامت تک نمونہ چھوڑ گیا۔

خواہر امام بی بی زینب نے اپنے دونوں بچوں عون و محمد کو علیحدہ بلایا اور خاموش نگاہ سے جس میں تعجب اور ناخوشی شامل تھی۔ ان کو دیکھا۔ بچوں کی بساط ہی کیا تھی۔ دس گیارہ برس کی عمریں ناز و نعم کے پلے سیدھے سادھے ماں کے تیور دیکھ کر سہم گئے اور ہاتھ جوڑ کر عرض کرنے لگے۔ "غلاموں سے کیا قصور ہوا؟"

ماں: "تم کو یہ معلوم نہیں کہ کیا قصور ہوا۔ میں تو فقط دیکھ رہی تھی کہ دیکھوں تم کو خود بھی خیال آتا ہے یا نہیں۔"

بچے: "ہم کو جو حکم دیجیے فوراً اس کی تعمیل کریں گے۔"

ماں: "میں حکم دوں، تم کو خود کسی بات کا خیال نہیں۔"

بچے: "اماں ہم نہیں سمجھے کہ آپ کیا فرما رہی ہیں۔"

ماں: "تم دیکھ رہے ہو تمام عزیز امام پر قربان ہو گئے۔ ماموں کی بھری کھیتی آج اجاڑ ہو گئی۔ علی اکبر رضی اللہ عنہ آج شہید ہو چکے۔ تم سے چھوٹا بھائی اصغر شہادت کا درجہ حاصل کرے اور تم دونوں زندہ رہ کر مجھے شرمندہ کرو۔ جب بھائی کے بچے نہ رہے تو اب میں تم کو کن آنکھوں سے دیکھ کر خوش ہوں۔ تم نے اس میدان کربلا میں جہاں

سب بچے کام آگئے۔ باپ اور ماں کی عزت پر پانی پھیر دیا۔ ایک وہ بچے ہیں جو اماں باوا کا نام روشن کریں۔ ایک تم ہو کہ میرے سامنے بٹے کٹے جیتے جاگتے کھڑے ہو۔"

ماں کی یہ شکایت اور غصہ معصوموں کے دلوں پر تیر کی طرح لگا، تھرا گئے اور کہنے لگے۔

"ہم خود اسی فکر میں بیٹھے ہیں۔ کبھی ماموں جان کا منہ تکتے ہیں، کبھی آپ کو دیکھتے ہیں کہ شاید اب بھی ہم کو حکم مل جائے لیکن نہ انہوں نے ہم کو اس قابل سمجھا، نہ آپ نے، ہم یہی باتیں کر رہے تھے۔ ہماری تقدیر ایسی کہاں۔ شاید ماموں جان نے ہم کو امیرؑ کی اولاد نہ سمجھا جو ہمارا ہدیہ قبول فرماتے۔"

بچوں سے یہ باتیں سن کر ماں کا دل بڑھ گیا اور سمجھ گئیں کہ میرے لال مجھ کو سرخرو کریں گے۔ لیکن بچوں کے سامنے اسی طرح خاموش رہیں۔ اور کہنے لگیں۔

"سوچ رہے ہو گے۔ کیا خبر ہے۔ مجھ سے یا ماموں سے تو پوچھا نہیں۔"

بچے: "چلیے تو آپ ہم پر اتنا رحم کیجیے کہ ماموں جان سے اجازت دلوا دیجیے۔ دیکھیے بڑے بھائی جان (قاسم) ساتھ ساتھ پھر رہے ہیں۔ اب کے شاید وہ جائیں گے ہم سب سے ہی پیچھے رہ گئے۔"

ماں: "تمہاری تقدیر، کیوں اب تک سوتے رہے۔ چلو میں چل کر کہتی ہوں شاید مان لیں۔"

آگے آگے ماں۔ پیچھے پیچھے وہ چاند کے ٹکڑے عمر بھر کی کمائی۔ دس گیارہ برس کی محنت۔ اللہ اللہ کیا وقت ہے۔ اسی دن کو پال پوس کر تیار کیا تھا کہ دشمنوں کی تلواریں ان مہ پاروں کو خاک میں ملائیں۔ بھائی کی عاشق زار بہن پاس آئی اور کہا۔ "بھیا ایک بات کہنی ہے۔"

امام: "کہو کیا کہتی ہو؟"

زینب: "میری شرم اس وقت تمہارے ہاتھ میں ہے۔ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی اولاد اور علی کرم اللہ وجہہ کے خاندان پر اس سے زیادہ مصیبت کا وقت اب کیا آئے گا۔ میں اس وقت کسی لائق نہیں ہوں طاقت ورنہیں کہ ظالموں سے ظلم کا بدلہ

لوں۔ مرد نہیں کہ فرات سے مشک بھر کر لاؤں۔ اور پیاسوں کے حلق کو تر کر دوں، یہ وقت کیا سدا رہنے والا ہے اور تھوڑی دیر کی آزمائش ہے۔ جس کی تقدیر میں جو لینا ہے وہ لے لے۔ بھائی مجھ کو کیوں سعادت سے محروم کرتے ہو۔ کل میدان قیامت میں اماں کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ اگر پوچھ بیٹھیں کہ "زینب! میدان کربلا میں بھائی کی کیا مدد کی۔" تو کس منہ سے کیا جواب دوں گی۔ میرے بھائی مظلوم بہن کی شرم رکھ لے۔ اور یہ دو بچے موجود ہیں۔ ان کو قبول کر اور میدان کی اجازت دے تو کہہ سکوں گی کہ "اماں میرے پاس جو کچھ تھا وہ قربان کر دیا۔"

بہن کی تقریر سے امام کے آنسو نکل پڑے اور کہا۔

"زینب کیا کہہ رہی ہو۔ ان پھولوں کو اچھی طرح کھلنے دو۔ یہ اپنی خوشبو سے دنیا کو معطر کریں گے۔ ان کی عمریں مرنے کی نہیں ہیں۔ میرا کلیجہ ان کو دیکھ کر کٹ رہا ہے۔ انہوں نے ماموں کے ہاں بھوک پیاس کی جو تکلیف اٹھائی وہی کیا کم ہے۔ زینب میں تم سے، تمہارے بچوں سے، خود ہی شرمندہ ہوں کہ میں نے بہن، بھانجوں کی خاطر تو درکنار اور انہیں مصیبت میں پھنسا دیا اب میرے زخموں پر نمک نہ چھڑکو۔"

بہن دوڑ کر بھائی کے گلے سے لپٹ گئی۔ گلے میں ہاتھ ڈال دیئے اور کہا۔

"امام میں بہن ہوں۔ فاطمہ سلام اللہ علیہا اور علی کرم اللہ وجہہ تیرے ماں باپ کی کنیز ہوں۔ میں یہ وقت دیکھنے کے واسطے زندہ رہ گئی تھی۔ حسین اگر میرے بچے تمہاری نگاہ میں اس لائق نہیں ہیں۔ تو اماں باوا کی پاک روحوں کا صدقہ بے کس بہن کو خالی نہ پھیرو۔ اصغر اور اکبر کے بعد اب میں ان کو لے کر کیا کروں گی۔ ان کو اجازت دو اور مجھ کو جلا لو۔"

بہن کے یہ الفاظ اس مصیبت خیز حالت میں امام کے واسطے قیامت تھے۔ ہچکی بندھ گئی۔ بہن کو کلیجہ سے لپٹا لیا اور کہا۔

"زینب! یہ کیا کہہ رہی ہو، دنیا تم جیسی بہن پر فخر کرے گی۔ سادات تمہارے نام پر ناز کریں گے اور مسلمان تمہارے کارنامے سر آنکھوں پر رکھیں گے۔ عون و محمد میرے کلیجے کے ٹکڑے ہیں۔ اکبر و اصغر سے زیادہ ہیں۔ دل گوارا

نہیں کرتا کہ خون میں نہا جائیں یہ کونپلیں ابھی اچھی طرح پھوٹیں بھی نہیں۔ تم تو بی بی ہو۔ تمہاری خوشی میں انکار نہیں کر سکتا۔ بسم اللہ بھیجو۔"

خوشی کے مارے اچھل پڑیں۔ دونوں سے کہا۔ "جھکو اور ماموں کا شکر بجالاؤ۔"

دونوں ادب سے سرنگوں ہو گئے تو امام نے ان کے سروں پر ہاتھ رکھے اور کہا۔ "تمہاری ماں کی یہی خوشی ہے تو عون و محمد جاؤ اور جو داغ حسین کی تقدیر میں لکھا ہے دے جاؤ۔"

دونوں کو خوش خوش لے کر آئیں۔ ان کے کپڑے بدلے اپنے ہاتھ سے ہتھیار لگائے اور کہا۔ "خدا حافظ۔"

اسی ماں کے دل سے پوچھنا چاہیے کہ کیا گزری ہوگی۔ جو بچوں کو ظالموں کے واسطے دولہا بنا رہی تھی۔ بچے تیار ہوئے تو گو ضبط کر رہی تھیں مگر دل بگڑ گیا دونوں کو گلے لگایا اور کہا۔

"دیکھو میں یہاں بیٹھی تم کو دیکھ رہی ہوں۔ گھبرانا نہیں۔ تھوڑی دیر کا واسطہ ہے۔ تمہاری نانی اور نانا سب تمہارے واسطے جام کوثر لیے تیار کھڑے ہیں۔ ہمت کی دیر ہے۔ مجھ سے بہتر چاہنے والے ہاتھ پھیلا رہے ہیں ماں کی گود سے چھوٹ کر ان گودوں میں پہنچو گے جہاں ابدی راحت اور ہمیشہ کا آرام ہوگا۔

لو جاؤ فی امان اللہ۔

میری تم ہی میں جان ہے گو بے حواس ہوں
تم مڑ کے دیکھ لو کہ میں پردے کے پاس ہوں

بچوں کا میدان میں پہنچنا تھا کہ اعدا کھلکھلا کر ہنس پڑے اور کہنے لگے۔

یہاں تک نوبت آ گئی ہم جیسے بہادروں کے مقابلے میں یہ بچے آنے لگے جن کے دودھ کے دانت بھی نہیں ٹوٹے۔ تم کون ہو۔ امام سے کیا تعلق ہے؟ کیوں خواہ مخواہ اعمالنامے میں اپنا خون لکھواتے ہو۔ ہم کو ہاتھ اٹھانے سے شرم آتی ہے۔ عباس کہاں ہیں ان کو بھیجو، کوئی اور مرد بھی ہے، یا سب مر گئے، تم ہی رہ گئے ہو۔ ہم نے تو بڑا شہرہ سنا تھا۔ وہ جاں نثار کدھر گئے۔ تم کون ہو؟"

بچے لعینوں کی مسکراہٹ پر غصہ کے مارے دانت چبانے لگے۔ مگر بچے تھے، معصوم بھولے بھالے کہنے لگے۔ ''ہم امام کے بھانجے ہیں۔ ان کے جاں نثار خادم۔ تم دیکھنا ہم تم میں سے کتنوں کو جہنم میں پہنچاتے ہیں۔''

اعدا: ''کون سی بہن کے بیٹے ہو۔ کیا تمہاری ماں بھی ساتھ آئی ہیں؟ یا فقط تم ہی گلا کٹانے آئے ہو؟''

بچے: ''تم کو ہماری ماں سے کیا مطلب۔ ہم تمہارے سامنے نہیں کہتے کہ کون سی بہن کے بیٹے ہو۔''

اتنا کہہ کر بچوں نے حملہ کیا۔ اپنی بساط کے موافق خوب لڑے۔ لیکن کہاں دو بچے اور کہاں یہ انبوہ، تھوڑی دیر بعد دونوں کی پاک روحیں جنت میں داخل ہوئیں۔ تو امام عالی مقام بچوں کی لاشیں خیمہ میں لائے اور بہن سے کہا۔

''لو زینب تمہارے لال دولہا بن کر آگئے۔ کہو ارمان پورا ہو گیا۔''

بچوں کا چہرہ دیکھتے ہی دنیا آنکھوں میں اندھیر ہو گئی۔ مگر خاموش تھیں۔ چکر آئے۔ سنبھلیں اور بچوں کو دیکھ کر کہا۔

''بھائی میرے بچے ناواقف تھے۔ کوئی بات لڑائی میں خلاف جنگ تو نہیں کی۔ یہ لڑ رہے تھے میں دیکھ رہی تھی۔ نانا کی امت نے میرے سامنے میرے کلیجہ کے ٹکڑے تیروں سے چھیدے ہیں۔ میرے بچے مجھ پر فدا ہوئے۔''

اب تک دور سے کھڑی دیکھ رہی تھیں اور دونوں لاشیں جن کو اپنے ہاتھ سے موت کے واسطے تیار کیا تھا گلے کٹائے سامنے پڑی تھیں۔ بدن سے خون جاری تھا۔ اور پیاس کے مارے زبانیں باہر نکلی پڑی تھیں۔ صورتیں دیکھتے دیکھتے دفعتہً ایک جوش اٹھا۔ آگے بڑھتی تھیں کہ حیا نے سیدانی کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی۔ شہر بانو نے امام کو بلا کر کہا۔ ''باہر چلے جاؤ۔ بدنصیب ماں کو اتنا موقعہ دے دو کہ بچوں سے لپٹ لے۔ جو کہنا ہے وہ کہہ لے۔ جو سننا ہے وہ سن لے۔''

امام باہر گئے تو دونوں کے بیچ میں خود لیٹ گئیں۔ سیدھا ہاتھ بڑے کے سینے پر اور الٹا چھوٹے کے سینے پر رکھا اور کہا۔

''ماں کے گھر سے بھوکے پیاسے رخصت ہونے والے مہمانو! اٹھو ماں کا کلیجہ ٹھنڈا کردو۔ آؤ لپٹ جاؤ ذرا سی خفگی سے تو کانپ گئے تھے۔ اب اتنی دیر سے رو رہی ہوں۔ آنکھ کھولو۔ ماں پر فدا ہونے والے لاڈلو۔ آنکھ کھولو۔ نانا، نانی سے میری شکایت نہ کرنا۔ میں مجبور تھی۔ دریا پر دشمنوں کا پہرہ ہے۔ پیاس میں تڑپا میدان میں بھیج دیا۔ میں ظالم ماں نہیں ہوں۔ اپنے بچوں کی عاشق ہوں۔ جب تک زندہ ہوں زندگی کے دن کاٹوں گی مگر پیارو تمہارے بعد خوشی حرام ہوگئی۔ لو جاؤ ماں کے گھر سے رخصت ہو۔ اکیلے قبروں میں آرام کرو۔ عون اس جنگل بیابان میں میرا بچہ محمد ڈرے نہیں اس کو اپنی چھاتی سے لگالو۔ ماں کی پرورش ختم ہوگئی۔ اب تم ہی اس کے وارث ہو۔ ایسا نہ ہو کہ ڈر کر اچھل پڑے۔ دیکھو کیسی بے خبر نیند سو رہا ہے لو جاؤ سدھارو۔ خدا حافظ۔''

المختصر ایک تین گھنٹہ میں گاجر مولی کی طرح یزیدی سفاکوں نے فاطمہ کے جگر پاروں کا صفایا کردیا۔ ترسا ترسا کر مارا۔ تڑپا تڑپا کر مارا۔ دکھا دکھا کر اور جلا جلا کر۔

سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے لخت جگر کی شہادت

جب دسویں محرم کا آفتاب نصف النہار کے قریب پہنچا ہے۔ اور بچے تک بجلس چکے ہیں۔ تو وہ وقت آیا جب سیدانیوں کے سر پر سوا ''شہید کربلا'' کے دوسرا مرد نہ رہا۔ اس وقت ''مسافر کربلا'' نے عورتوں کی طرف دیکھا اور کہا۔

''اب میں جاتا ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہے تو قیامت کے روز ملاقات ہو گی۔ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گل فام سب خاک میں جا سوئے اور علی کی نسل تمام منقطع ہو چکی۔

صرف ایک عابد بیمار ہیں۔ اگر یہ زندہ رہے اور اللہ تعالیٰ نے کبھی تم کو چین دیا تو نانا کی امت تک میرا یہ پیغام پہنچا دینا۔

''مسلمانو! دنیا کی کسی حالت کو قرار نہیں۔ اور کسی کیفیت کو ثبات نہیں۔ جو آج تخت نشین ہے۔ وہ کل خاک نشین ہوگا۔ مدینہ طیبہ میں جس کی سواری اللہ

تعالیٰ کا پاک رسول ﷺ تھا۔ میدان کربلا میں اس کو مصیبت ناک گرمی میں تین دن اور تین رات پانی کا قطرہ تک میسر نہ ہوا۔ اس حالت اور آفت میں معصوم بچوں اور جوان شیروں نے آنکھوں کے سامنے دم توڑا۔ برابر کے بھائی اور ہمیشہ کے رفیق چھوٹے۔ سیدانیاں بے یارو مددگار ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی وارث نہ رہا۔ میرا پاؤں استقلال سے نہ ڈگمگایا اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝

میری آنکھ کے سامنے رہا زندگی کا زمانہ عارضی جو موت کی تہ میں چھپا ہوا ہے۔ بچوں کی موت میں میرے روبرو رہا۔ اور حیات ناپائیدار کی فانی خوشیاں جن کا زوال فنا کے ساتھ وابستہ ہے مجھ سے پوشیدہ رہیں۔ میں نے ایک ظالم اور زانی کی بیعت سے انکار کیا اور گوارا نہ کیا کہ کلمہ گو مظلوم اور امت بے کس کی عصمت مآب خواتین میری موجودگی میں ایک جفا کار کی رعیت ہو جائیں۔ مجھے اپنے نانا اور تمہارے رسول ﷺ کو منہ دکھانا تھا۔ میرا استقلال لحمہ بہ لحمہ بڑھتا رہا اور جس کو دشمن پر طاؤس سمجھتے تھے وہ کوہ پیکر نکلا۔ بھوک کی تکلیف استقلال کے رنگ میں میرے واسطے نعمت تھی اور پیاس کی اذیت ثابت قدمی کی دھن میں میرے لیے موجب تسکین۔

بیبیاں جب اپنے شیر خوار بچوں کو کلیجہ سے لگا کر دودھ پلائیں۔ تو حسین بے کس کی مصیبت کو فراموش نہ کریں۔ جس کی گود میں اصغر جیسا لال دودھ کو ترستا اور پانی کو پھڑکتا۔ باپ کی صورت کو تکتا ہوا ختم ہو گیا۔

مسلمان جب اپنے جوان لڑکوں کو دولہا بنا کر ان کی دلہنیں پالکیوں میں سے اتاریں تو اس وقت کا خیال رکھیں کہ رسول اللہ ﷺ کا نواسہ کس طرح جوان شیر، علی اکبر رضی اللہ عنہ کی لاش کو میدان سے اٹھا کر لایا اور زمین کے سپرد کر دیا۔

قوم جب اپنی بیویوں اور بہنوں کی ناموس کا احترام کرے یہ بھی یاد کر لے کہ حسین کی ننگ و ناموس کا والی کربلا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہ تھا۔"

دہل پر دہل بجنے لگا۔ اور سیدہ الشہداءؓ میدان جنگ میں تشریف لائے تو آپؓ نے فرمایا۔

آج جمعہ کا روز ہے۔ مسلمان اس وقت فریضہ نماز کی تیاریاں کر رہے ہوں گے۔ تم بھی کلمہ گو ہو۔ اور آج اس وقت جس کا کلمہ پڑھتے ہو اس کے نواسے کو مارنے کی تیاری میں مصروف ہو۔ اتمام حجت میرا فرض ہے، اور وہ اس لیے کہ کل قیامت کے روز میرے ذمہ کوئی الزام نہ آجائے۔ اس لیے اگر اب بھی تم اپنی شرارت سے باز آجاؤ۔ اور مجھ کو رستہ دو تو میں اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر چلا جاؤں۔" ولعین شیطنت پر کمر بستہ تھے۔ کیا اثر ہو سکتا تھا۔ لڑائی شروع ہوئی اور کچھ دیر بعد امام عالی مقامؓ پر چاروں طرف سے نرغہ ہوا اور آپ زخمی ہو کر نیچے گرے۔ شمر نامی ایک شخص اس غرض سے آگے بڑھا کہ سر تن سے جدا کرے۔ آپؓ نے اس سے فرمایا۔

"دیکھ لیا وقت ہے۔ مسلمان اس وقت مسجدوں میں نماز پڑھ رہے ہوں گے اور تم مجھے قتل کر رہے ہو۔"

شہادت امامؓ کی امید میں تمام رات فوج نہ سوئی تھی۔ اس گفتگو کا کیا نتیجہ ہو سکتا تھا۔ سر جدا کر دیا گیا۔ اور فتح کے نقاروں کی آواز نے بیبیوں کو شہادت حسین رضی اللہ عنہ کا پیغام پہنچا دیا۔

اب دشمن لوٹ مار کے واسطے خیموں میں داخل ہوئے۔ وہ بیبیاں جنہوں نے غیر مردوں کی صورت نہ دیکھی تھی ظالموں کی آمد سے کونوں میں دبک دبک کر بیٹھ گئیں۔ تلواروں کی چمک اور ہتھیاروں کی دمک نے دل دہلا دیے۔ ایک طرف عابد بیمار نظر آئے۔ تو صلاح ہوئی کہ ان کو بھی قتل کر دو اور سادات کی نسل کا قطعاً خاتمہ کر دو۔ کچھ دیر تک بحث رہی اور آخر یہ فیصلہ ہوا کہ مریض کو زندہ گرفتار کر کے یزید کی خدمت میں بھیج دو۔ وہاں سے جو مناسب ہوگا فیصلہ ہو جائے گا۔

اہلبیتؓ کے خیمہ میں تو کیا گھروں میں بھی اگر تلاشی لی جاتی تو مال و متاع برآمد نہ ہوتا۔ سیدانیوں پر پہرے بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ کی پاک بندیاں رسول زادیاں اس وقت ظالموں کی حراست میں تھیں۔

خانماں برباد قافلہ

فتح کی خوشی میں عبید اللہ ابن زیاد۔ شمر ذی الجوشن بغلیں بجاتے پھرتے تھے۔ ایک رات اسی میدان میں قیام کیا اور جشن منائے۔ جب جنگ کی تکان رفع ہوئی تو پیغمبر زادیاں اور عابد بیمار اونٹوں پر سوار کیے گئے سب سے آگے امام عالی مقامؑ کا سر ایک کجاوے میں تھا اور پیچھے پیچھے یہ لٹا ہوا قافلہ، جو اپنے سردار سے بچھڑ گیا تھا۔ خدا کا شکر کرتا۔ اعدا کی نگرانی میں چلا جا رہا تھا۔

دمشق جہاں یزید کا دار الخلافہ تھا۔ میدان کربلا سے دس گیارہ منزل تھا اور فتح مند مارا مار رستہ طے کر رہے تھے۔ جن نگاہوں نے سوائے چند اشیاء کے دنیا کی کائنات کا مشاہدہ ہی نہیں کیا اب ان کو سب کچھ دیکھنا پڑتا ہے۔ ان کے کلیجے زخمی تھے۔ ان کی زندگیاں ختم ہو چکی تھیں۔ جسم موجود تھے۔ اور روحیں قریب قریب نکل چکی تھیں۔ قیدیوں کی خوراک کا جو دستور ہے وہ دونوں وقت ان کو تھوڑی غذا اور قدرے قلیل پانی مل جاتا تھا۔ لیکن یہ بھی ان کے حلق سے نہ اترتا۔ ننھے ننھے بچوں کا پیاس کے مارے تڑپ تڑپ کر جان دینا، جوانوں کا العطش العطش کہہ کر سر دھننا اور مرنا ایسے واقعات نہ تھے کہ مائیں اور پھوپیاں، بہنیں اور بیویاں آسانی سے فراموش کر دیتیں۔ یہ صدمہ دل پر ایسا بیٹھ چکا تھا کہ صرف موت جسد خاکی کو بے جان کر کے بھلا سکتی تھی۔ بجائے اس کے کہ وقت گزرنے سے اس صدمہ میں کمی ہوتی، ترقی ہو رہی تھی کسی ایک پر مصیبت نہ تھی۔ ہر ایک کی مصیبت دوسرے سے زیادہ تھی۔ مگر ان مصیبت ماؤں کی اس حالت کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ عرصہ بعد ایک روز امام زین العابدین نے دیکھا کہ ایک قصائی بکرے کو پانی پلا رہا ہے جب وہ پانی پلا چکا اور خوب اچھی طرح بکرا سیر ہو گیا تو اس نے ذبح کیا۔ آپ یہ دیکھ کر بے اختیار ہو گئے اور اس قدر روئے کہ بہت سے آدمی جمع ہو گئے پوچھا تو کہا۔

"دشمنوں نے میرے باپ کو بکرے کے برابر بھی نہ سمجھا۔ قصائی جانور ذبح

کرتا ہے تو پہلے پانی اچھی طرح پلا لیتا ہے۔ لیکن میرے باپ کو تین دن بھوکا پیاسا رکھ کر ظالموں نے ذبح کیا۔"

سیدہ بی بی کے بعد دنیا میں جس شخص کی گریہ وزاری مشہور ہے۔ وہ امام زین العابدین ہیں کہ باپ کے بعد لمحہ بھر بھی چین نہ اٹھایا۔ ہر وقت کربلا کی مصیبت آنکھ کے سامنے تھی۔ ایسی حالت میں ہر متنفس صدمات کے انتہائی مدارج طے کر چکا تھا۔ کسی کی مصیبت کسی سے کم نہ تھی۔ امام زین العابدین کی حالت اس وجہ سے اور بھی زیادہ قابل رحم تھی کہ بیماری نے بالکل خاتمہ کر دیا تھا۔ نقاہت کی یہ حالت تھی کہ وہ آسانی سے اونٹ پر چڑھ سکتے تھے نہ اتر سکتے تھے۔ پانچ آدمیوں میں ایک اونٹ تھا۔ جس میں ایک ایسا بیمار جس سے بیٹھا بھی نہ جائے۔ گرمی کی یہ کیفیت کہ الامان والحفیظ۔ ریگستان کا سفر، سر پر آفتاب۔ لو کے جھکڑ۔ اللہ تعالیٰ دشمن کو یہ وقت نہ دکھائے جو دوستوں نے دیکھا۔

دمشق سے دو منزل ادھر جب فتح مند مصیبت ماروں کو لیے مقام قیلوم پر پہنچے ہیں تو نقاروں کی آواز اور فتح کے نعروں نے زمین و آسمان ایک کر دیا۔ رعیت اپنے بادشاہ کے اقبال کو جو جلد پامال ہونے والا تھا۔ دیکھنے باہر نکلی۔ عورتیں کوٹھوں پر، بچے سڑکوں پر، بڈھے ٹیلوں پر، تماشا دیکھنے کھڑے ہوئے۔ یہاں تک کہ نظر بندوں کا ناقہ جس میں آدمی کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے سامنے آیا۔ سواریاں کیا یہ خود اونٹ بھی قابل رحم تھا۔ جس پر سر سے پاؤں تک حسرت و بے کسی برس رہی تھی۔ اس میں بجائے مرد قیدیوں کے ان عورتوں کا نظر آتا جو اپنے چہرے چھپائے ہوئے تھیں۔ نہایت دردانگیز منظر تھا۔ تماش بین عورتوں میں سے ایک کو رحم آیا اور اس نے باآواز بلند بے دردوں کے ظلم اور مظلوم کے صبر سے متاثر ہو کر کلمہ پڑھا۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ

کلمہ پڑھنے والی کو یہ نہ معلوم تھا کہ جس کا کلمہ پڑھ رہی ہوں۔ یہ اسی کی ناموس حراست میں ہے۔ رسول زادیوں نے یہ آواز سنتے ہی اپنے منہ اور زیادہ چھپا لیے۔ سیلانی عورتیں صورتیں دیکھنے کی مشتاق ہوئیں۔ مگر نہ دیکھ سکیں۔ جب

قافلہ سارا گزر گیا ہے تو کلمہ پڑھنے والی کا اشتیاق حد سے زیادہ گزرا۔ نیچے اتری اور آہستہ آہستہ قافلہ کے ساتھ تھوڑی دور چلی۔ اور فتح مندوں سے پوچھا۔ "یہ کون لوگ ہیں؟ اور اس طرح منہ کیوں چھپائے ہوئے ہیں۔ فتح اور شکست اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے۔ جو جیسا کرتا ہے ویسا بھرتا ہے مگر یہ عورتیں اس طرح سے کیوں نکلیں کہ اپنی جھلک تک کسی کو نہ دکھائی۔ ہم نے سوچا تھا کہ ثواب کے واسطے ان قیدیوں کو کچھ کھلاتے پلاتے۔ مگر وہ قصہ رہا تو الگ۔ سیدھے منہ بات تک تو کرتیں ہی نہیں۔"

ایک آدمی نے جواب دیا۔ "دمشق کی دیواریں تھوڑی دور آگے بڑھ کر نظر آ رہی ہیں۔ اس پڑاؤ پر ہمارا قیام اس غرض سے ہو گا کہ لباس اور ہتھیار وغیرہ درست کر لیں۔ یہ پڑاؤ کچھ دور نہیں ہے تو چلی چل۔ وہاں ان سے پوچھ لیجو۔ اگر یہ لوگ نہ بتائیں گے تو پھر ہم بتا دیں گے مگر پوچھ کے دیکھ تو سہی کہتے کیا ہیں؟"

عورت: تمہارا بتانے میں کیا نقصان ہے اور مجھے ایسے پوچھنے کی کیا اشد ضرورت ہے۔ بتاتے ہو بتاؤ۔ نہیں بتاتے نہ سہی۔

مرد: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حسین رضی اللہ عنہ کے بال بچے ہیں۔ اور بیچ کے اونٹ پر ان ہی کا سر تھا جو دسویں تاریخ کو میدان کربلا میں ہم نے اس لیے علیحدہ کیا کہ انہوں نے ہمارے خلیفہ کی نافرمانی کی اور بیعت سے انکار کیا۔"

عورت اتنا سنتے ہی سناٹے میں رہ گئی ایک آہ کی اور بے ہوش ہو گئی۔ ہوش آیا تو قافلہ نکل چکا تھا۔ اٹھی اور وہی کلمہ پڑھتی ہوئی بے تابانہ دوڑی۔ جب قافلہ پڑاؤ پر اتر چکا ہے اور رسول زادیاں ایک درخت کے نیچے بیٹھی اپنی حالت اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کو سوچ رہی تھیں کہ عورت سامنے آئی۔ اس کی پہلی خواہش یہ تھی کہ وہ سر کی زیارت کرے۔ مگر افسر ذمہ دار نے اجازت نہ دی۔ تڑپتی ہوئی اس لٹے ہوئے قافلہ میں پہنچی۔ بی بی زینب نے ایک تعجب انگیز نظر اس عورت پر ڈالی۔ اور منہ پھیر لیا۔ عورت بغیر کچھ بات کیے گھر واپس آئی۔ اس کی آنکھ میں آنسو تھے اور اس کا دل کبوتر کی طرح پھڑ پھڑا رہا تھا۔ جس طرح اور جتنا کچھ بھی ہو سکا تھوڑا

بہت سامان تیار کیا۔ لے کر حاضر ہوئی اور کہا۔

"بی بی میں کسی قابل نہیں ہوں۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان اور ہمارا ایمان ہو، اگر اپنے کرم سے قبول کر لو تو میں مردہ جی جاؤں گی۔"

زینب: "تم کون ہو۔ کیا نام ہے۔ ہم سے کیا ہمدردی ہے اور کیوں ہے؟"

عورت: "مسلمان ہوں۔" اہلبیت کی عاشق۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیز۔ مدینہ منورہ سے آ کر عمر اسی امید میں بسر کی ہے کہ ایک دفعہ وہ پاک صورتیں پھر خواب میں دیکھ لوں۔ تمہاری صورت بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا سے مل رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ سچ بتاؤ تم ان کی کون ہو۔"

زینب: "تم نے بی بی کو کہاں دیکھا تھا۔"

عورت: "مدینہ منورہ زیارت کے واسطے گئی تھی۔ دو نواسے بچے کھیل رہے تھے۔ ایک بچی گود میں تھی۔

زینب: "میں ان کے پاس مدتوں رہی ہوں۔ ان کی لونڈی ہوں۔"

عورت پر ایک خاص وجد کی حالت طاری ہوئی اور اس نے ایک چیخ ماری اور کہا۔

"تم زینب تو نہیں ہو؟ رفتار میں، گفتار میں، عادات میں، اطوار میں، ہر بات میں، ہر ڈھنگ میں، تم بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا معلوم ہوتی ہو۔"

یہ کہہ کر عورت نے قدموں پر سر رکھ دیا تو زینب کی آنکھ سے بھی آنسو جاری ہو گئے، سر اٹھا کر اس کے واسطے دعائے مغفرت کی۔

قافلہ کا کوچ شروع ہوا۔ فتح کے شادمانوں نے زمین و آسمان سر پر اٹھا لیا۔ فتح مندوں کی مارے خوشی کے باچھیں کھلی جاتی تھیں۔ اچھلتے کودتے دمشق میں داخل ہوئے تو سینکڑوں مرد عورتیں اور بچے، تماشہ دیکھنے کھڑے ہو گئے۔ زینب اور شہر بانو دونوں نند بھاوجوں نے اپنے چہرے ردا میں چھپائے اور صبر و شکر کی دلہنیں یزید کے دربار میں پہنچیں۔ زمانہ کیسے رنگ دکھا رہا ہے اور آنکھیں نت نئے انقلاب دیکھتی ہیں لیکن اس دنیا کی بے ثباتی کا نقش کسی طرح دل پر نہیں جمتا۔ اس

سے زیادہ نازک وقت کیا اور بھی آیا ہوگا۔ یا آئے گا کہ محض چند روزہ دور حکومت اور اس زندگی کے واسطے جو آنکھ بند کر کے ختم ہو گئی۔ رسول زادیاں چادریں اوڑھے اور امام وقت کا وہ لال جس پر سادات کا دارومدار ہے۔ خاموش یزید کے سامنے کھڑے ہیں۔

مصائب کربلا کو قیام تھا نہ آفات دربار کو ثبات۔ وہ بھی عارضی تھا۔ یہ بھی۔ کربلا کی مصیبتیں ہمیشہ رہنے والی تھیں۔ نہ دربار کی آفتیں۔ ہاں ان کی یادگار آج تک مسلمانوں ہی کا نہیں۔ ایک دنیا کا دل دہلا رہی ہے اور آج جبکہ نہ ظالم یزید موجود ہے، نہ مظلوم امامؑ، ظالم کا ظلم اور مظلوم کا استقلال ہمارے سامنے ہے۔ المختصر جس وقت یزید تخت پر آ کر بیٹھا اور خاندان امام سامنے آ کر کھڑا ہوا تو سید الشہداءؑ کا سر ایک طشت میں اس کے سامنے رکھا گیا۔ ہاتھ میں چھڑی تھی۔ آہستہ آہستہ سر کو ماری اور کہا۔ "اسی منہ سے خلافت کا دعویٰ کیا تھا کہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی خوار و برباد کیا۔"

حاضرین میں ایک ضعیف العمر شخص موجود تھے۔ یہ دردانگیز سماں دیکھ کر بے چین ہو گئے۔ روتے ہوئے اٹھے اور کہا۔

"یزید کیا غضب کرتا ہے۔ یہ سر جس کے ساتھ تو آج اس قدر بے ادبی کر رہا ہے۔ بارہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں دیکھا ہے جس کو تو آج بید مار رہا ہے۔ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بوسہ دیا ہے تو سب کچھ کر چکا امام کو شہید کیا۔ آل اولاد کا خاتمہ کیا۔ سیدانیاں تیرے سامنے بے برقع و نقاب رداؤں میں منہ چھپائے حاضر ہو گئیں۔ بیمار سید تیرے روبرو مرض سے کراہ رہا ہے اور تیرے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں کہ سمجھے اور سوچے یزید حکومت کتنے روز کی؟ بہت جلد اس حکومت میں جا پہنچے گا۔ جہاں ان ہی لوگوں کا دور دورہ ہے اور ان کے سکے چل رہے ہیں۔

یزید یہ سنتے ہی جل بھن کر کباب ہو گیا اور ان بزرگ کو غیض و غضب سے دیکھ کر حکم دیا کہ ابھی اس کو مجلس سے نکال دو، فوراً حکم کی تعمیل کی گئی۔

اس کے بعد اس نے امام زین العابدین کی طرف دیکھا اور کہا۔

"تم جانتے ہو کہاں ہو۔ کیا دیکھ رہے ہو اور کیا ہو گیا۔ اگر تمہارے باپ کے دل میں تمکنت و غرور نہ ہوتا تو آج یہ سر میرے سامنے نہ رکھا ہوتا۔ ان کو معلوم نہ تھا کہ میں کتنی طاقت کا انسان ہوں۔ اس دربار پر نظر ڈالو۔ اس کا کونہ کونہ اور چپہ چپہ میرے جلال و جبروت کا پتہ دے رہا ہے۔ یہ تمہارے برابر دونوں عورتیں کون ہیں؟ جب اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو پردہ کے لائق نہ رکھا تو اب کس منہ سے منہ چھپاتی ہیں؟ قیدی بن کر میرے سامنے کھڑی ہیں۔ مگر پردہ موجود ہے۔ تم بیمار ہو سانس پھول رہا ہے بات کی نہیں جاتی۔ کھڑے ہو مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زندگی سے بے زار موت کے خواستگار، مگر ابھی تک اپنی ہٹ پر اڑے ہوئے ہو۔ رسی جل گئی بل نہیں گیا۔

امام زین العابدین: "ہمارے باپ نے محض اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو امن میں رکھنے کے واسطے اپنی اور اپنے پیاروں کی جانیں قربان کر دیں تجھ جیسے کم بخت سے بیعت کرنا مسلمانوں کو جان بوجھ کر کنوئیں میں دھکا دینا تھا۔ دنیا تھوڑی تھی گزر جاتی مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں ہم کیا منہ دکھاتے۔ تیرے عارضی اور فانی جلوے اگر غور سے دیکھے تو اس وقت بھی جب ہم تیرے دربار میں مظلوم و بے کس حاضر ہیں تیرے غرور اور ہماری صداقت کا پتہ دے رہے ہیں۔ کائنات کی ہر شے ہماری بے گناہی کی شاہد ہے۔ ان بیویوں کو نہ پوچھ۔ کلام اللہ ان کا ایمان ہے اور آزمائش کا وقت یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو آزما رہا ہے اور یہ راضی بہ رضا ہیں۔ اس وقت تُو طاقتور ہے جو چاہے کہہ۔ مگر آ رہا ہے وہ وقت جب ہمارا تیرا معاملہ منعم حقیقی کے سپرد ہوگا۔"

یزید: "اس فضول بحث کو جانے دو۔ ذرا میرے اقبال پر نظر ڈالو۔ تم میرے سامنے گرفتار حاضر ہو۔ اور تمہارے باپ کا سر یہ پڑا ہوا ہے۔ اب بھی تم اپنی حرکتوں سے باز آؤ اور میں تمہارے ساتھ اچھا سلوک کروں گا۔"

امام: "دیکھ اذان ہو رہی ہے۔ کچھ سمجھا یہ کیا ہے؟ تیرے ہی پڑوس میں ایک

شخص اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ تیرا یہ تمام اقبال جس پر تو پھول رہا ہے۔ ہمیشہ رہنے والا نہیں۔ تجھے معلوم ہے۔ اس میں کیا نام لیا گیا ہے؟ تو نے سنا۔

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه ﷺ ۝

بتا یہ کس کا نام ہے؟ جو اس وقت تک زندہ رہے گا جب تک دنیا زندہ ہے۔"

اس گفتگو کے بعد کچھ تھوڑی سی گفتگو بی بی زینبؑ سے یزید کی ہوئی۔ اور آخر کار یہ حسینی قافلہ دمشق سے مدینہ منورہ روانہ ہو گیا۔

الزہرا سلام اللہ علیہا / (عمر ابو النصر)

ایک یتیم اور اس کی شادی

خدیجہ رضی اللہ عنہا کا اضطراب:

دن سخت گرم تھا اور لو چل رہی تھی۔ اسی اثناء میں خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد مکہ معظمہ کی ایک مالدار خاتون، اپنے مکان کی بالائی منزل پر کھڑی اس راستے کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی تھیں جو مکہ معظمہ اور شام کو آپس میں ملاتا تھا اور تاحد نظر ان کے سامنے پھیلا ہوا تھا۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا کا روزانہ معمول یہی تھا کہ وہ بالائی منزل پر کھڑی ہو کر ان قافلوں کی راہ تکا کرتی تھیں جو تجارت کے لیے مکہ معظمہ سے باہر گئے ہوئے تھے۔ اس انتظار و شوق کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے بھی قریش کے ایک نوجوان کو تجارتی مال دے کر اپنے غلام میسرہ کے ہمراہ شام بھیج رکھا تھا۔ یہ نوجوان قریش کے معزز ترین خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اگرچہ ابتداء ہی سے اسے غریبی کی حالت میں زندگی بسر کرنی پڑی۔ اس نوجوان کی پیدائش سے صرف دو ماہ قبل اس کے والد عبداللہ نے سفر آخرت اختیار کیا تھا اور ولادت سے چھ سال بعد اس کی والدہ آمنہ بھی اس دنیا سے کوچ کر گئی تھیں، والدہ کی وفات کے بعد اس کے دادا عبدالمطلب نے اس یتیم کی پرورش شروع کی لیکن نو سال کی عمر میں وہ بھی اسے داغ مفارقت دے گئے۔ اب اس کی کفالت اس کے چچا ابو طالب نے اپنے ذمے لے لی۔

ابو طالب بھی فقر و فاقہ کی حالت میں زندگی بسر کرتے تھے۔ انہیں اپنے کثیر اہل و عیال کی پرورش کرنے اور ان کا پیٹ پالنے کے لیے سخت جدوجہد سے کام لینا پڑتا تھا لیکن جب سے یہ یتیم بچہ ان کے زیر نگرانی آیا ان کی حالت سدھرنی شروع ہو گئی اور اس قلیل روزی ہی میں جو انہیں خاصی محنت و مشقت کے بعد حاصل ہوتی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس قدر برکت دی کہ وہ گھر کا گزارہ بخوبی چلانے لگے۔

ایام گزشتہ:

خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ایام گزشتہ کے واقعات ایک ایک کر کے گزر رہے تھے ان کی نظروں میں اس وقت کا سماں پھر رہا تھا جب ابرہہ لشکر لے کر خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لیے مکہ معظمہ پر حملہ آور ہوا تھا۔ پھر کس طرح اللہ تعالیٰ نے ابابیلوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج کر اس کے عظیم الشان لشکر کو آن کی آن میں نابود اور تہس نہس کر دیا اور مکہ معظمہ کے لوگ جو ابرہہ کے لشکر کے ڈر سے پہاڑوں میں جا چھپے تھے، انبساط اور شادمانی کے جذبات لیے ہوئے واپس آ گئے اور شہر کی گلیاں شاداں و فرحاں لوگوں کے ہجوم سے بھر گئیں۔ اس سارے مجمع میں صرف ایک بوڑھا شخص ایسا تھا جو اس تقریب مسرت پر قوم کی خوشی میں شریک ہونے کے باوجود اپنے دل میں ایک سوزش پنہاں لیے ہوئے تھا۔ اس کے حزن والم میں قریش کی ایک خاتون بھی شریک تھی۔ یہ غمگین و حزیں بوڑھے شخص قریش کے سردار عبدالمطلب بن ہاشم تھے اور ان کے غم میں شریک خاتون ان کی بہو آمنہ رضی اللہ عنہا بنت وہب تھیں۔

عبدالمطلب نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں دس فرزندوں سے نوازا اور وہ سب جوانی کی عمر تک زندہ رہے تو وہ ان میں سے ایک بیٹے کو اس کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ آرزو پوری کی اور انہیں دس فرزند عطا کیے۔ عبدالمطلب نے اپنی نذر پوری کرنے کا ارادہ کیا۔ قرعۂ فال سب سے چھوٹے بیٹے عبداللہ کے نام پر پڑا۔ جو باپ کو سب سے زیادہ عزیز تھے پھر بھی نذر پوری کرنے کے خیال سے عبدالمطلب انہیں قربان کرنے کے لیے خانہ کعبہ میں لے گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو انہیں بچانا منظور تھا اس نے قریش کے بعض لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ عبداللہ کے بجائے اونٹ کی قربانی کر دی جائے۔ عبدالمطلب نے بھی اس تحریک کو خدائی منشا سمجھ کر قبول کر لیا اور عبداللہ کے بدلے سو اونٹ ذبح کر دیے گئے۔ اس وقت کہ سارا شہر مسرت و شادمانی کے سیلاب میں

ڈوبا ہوا تھا، عبدالمطلب کے دل میں بار بار یہ خیالات گردش کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سب سے پیارے بیٹے کو عین اس وقت جب وہ اسے ذبح کرنے کے لیے جا رہے تھے، اپنی رحمت کے طفیل موت کے منہ سے بچا لیا تھا۔ کیا یہ موت سے نجات اس لیے تھی کہ تھوڑے عرصے بعد ہی وہ پھر موت کے پنجے میں گرفتار ہو جائے؟ کیا یہ عجیب بات نہ تھی کہ موت سے چھٹکارا حاصل ہونے کے بعد اس کی شادی ہوئی لیکن اسے زیادہ عرصہ بیوی کے پاس رہنا نصیب نہ ہوا اور کچھ ہی دنوں بعد یثرب میں اس کی ننھیال، بنو نجار میں اس کا آخری وقت آ پہنچا۔ یثرب جانے کے بعد اس کی نئی نویلی دلہن کو معلوم ہوا کہ وہ اپنے پہلو میں ایک امانت اٹھائے ہوئے ہے۔ کون جانتا تھا کہ عبداللہ کو اپنی یہ امانت اپنی بیوی آمنہ سے حاصل کرنی نصیب نہ ہوگی اور کسے پتا تھا کہ آمنہ بنت وہب کو یہ امانت اپنے شوہر کو دینے کا موقع نہ ملے گا اور وہ اسے دوسرے لوگوں کے سپرد کرنے پر مجبور ہوگی؟

اس یتیم کی پرورش دادا کے بعد اس کے چچا ابو طالب کے ہاں ہوئی۔ بچپن ہی سے اسے اپنے اعصاب پر پورا قابو حاصل تھا۔ کھیل کود، لہو و لعب اور راگ رنگ کی محفلوں سے وہ دور بھاگتا تھا۔ شراب کا ایک قطرہ اس نے کبھی نہ چکھا تھا جو اس زمانے میں ایک عجیب و غریب بات خیال کی جاتی تھی۔ نیک عادات، شائستہ اطوار اور بلند اخلاق کے لحاظ سے مکہ معظمہ کا کوئی بچہ اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جوان ہونے کے بعد اس کے حسن خلق اور امانت و دیانت کی شہرت مکہ معظمہ بھر میں پھیل گئی۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس یتیم نوجوان کا شہرہ سنا اور دل میں بے اختیار یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ بھی اپنی تجارت کے سلسلے میں اس نوجوان کی امانت و دیانت اور ذکاوت و فطانت سے فائدہ حاصل کریں۔ چنانچہ انہوں نے اس سے درخواست کی کہ وہ ان کا تجارتی مال فروخت کرنے کے لیے شام لے جائے اور وعدہ کیا، وہ اس کا معاوضہ اتنا دیں گی کہ آج تک کسی کو نہ دیا ہوگا۔ نوجوان نے رضامندی کا اظہار کر دیا اور اس خاتون کا سامان لے کر بغرض تجارت شام روانہ ہو گیا۔

اب اس کی واپسی کے دن قریب تھے اور خدیجہ رضی اللہ عنہا روزانہ اپنے مکان کی چھت پر چڑھ کر اس کی راہ تکا کرتی تھیں۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مرتبہ:

خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد مکہ معظمہ کی ایک معزز، شریف النسب، نیک، پارسا اور مال دار خاتون تھیں۔ ان کے ذریعے سے مکہ معظمہ کے اکثر مفلس و نادار اور غریب و بے کس لوگوں کی پرورش ہوتی تھی۔ اپنے اعلیٰ اخلاق، نیک عادات، حسب ونسب اور مال و دولت کے لحاظ سے وہ اپنی قوم میں انفرادی حیثیت کی مالک تھیں۔

جس زمانے کا ذکر ہم کر رہے ہیں وہ زمانہ جاہلیت کا آخری دور تھا۔ اس وقت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال کی تھی۔ وہ حسن اخلاق اور بے نظیر خصائل کی بنا پر قریش میں بہت بڑے رتبے کی مالک تھیں۔ اپنی پاک سیرت، بلند اخلاق اور نیک عادات کی بناء پر جاہلیت میں "طاہرہ" کے لقب سے مشہور تھیں۔ ان کی عقل وخرد، جودت رائے اور طہارت قلب کا شہرہ سن کر مکہ معظمہ کے ایک معزز فرد عتیق بن عابد نے انہیں نکاح کا پیغام دیا، جو انہوں نے قبول کر لیا اور دونوں کی شادی ہوگئی لیکن کچھ ہی عرصہ بعد عتیق کا انتقال ہو گیا۔ عتیق کی وفات کے بعد ایک اور معزز قریشی ابو ہالہ سے ان کا نکاح ہوا۔ ابو ہالہ سے ان کے ایک لڑکا ہوا جس کا نام "ہند" رکھا گیا لیکن یہ لڑکا زیادہ عرصے تک زندہ نہ رہا۔ اس کے انتقال کے بعد ابو ہالہ بھی وفات پا گئے اور خدیجہ رضی اللہ عنہا پھر تنہا رہ گئیں۔ وہ اپنے مکان میں بیوگی کی زندگی بسر کرنے لگیں چونکہ وہ بہت مال دار تھیں اس لیے ان کے واسطے عیش و آرام کے اسباب کی کوئی کمی نہ تھی وہ بڑی شان سے زندگی بسر کرتی تھیں اور لونڈیاں اور غلام ہر وقت ان کی خدمت کو موجود رہتے تھے۔

مکہ معظمہ ایک تجارتی شہر تھا۔ وہاں کے باشندے رات دن تجارت میں مشغول رہتے تھے اور اردگرد کے ممالک میں اپنے تجارتی قافلے بھیجتے رہتے تھے۔ وہ لوگ ایک ملک کی چیزیں دوسرے ملک میں لے جا کر فروخت کرنے کے علاوہ

ہر سال کچھ دنوں کے لیے مکہ معظمہ کے قریب بازار بھی لگاتے تھے جہاں دنیا بھر کی چیزیں لائی جاتی تھیں اور ان کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ ان بازاروں میں سب سے مشہور شوق عکاظ تھا جو پہلی ذی قعدہ سے مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان لگا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ اور بازار بھی تھے۔

سرزمین حجاز میں جو پیداوار ہوتی تھی اور باہر بھیجی جاتی تھی وہ زیادہ تر معدنیات، جڑی بوٹیوں، خوشبوؤں اور ایسی نباتات پر مشتمل ہوتی تھی جو چمڑا دھونے اور رنگنے کے کام آتی ہیں۔ اس کے علاوہ جانوروں کا دودھ سکھا کر پنیر وغیرہ تیار کر لیا کرتے تھے۔ ان کے جسم پر سے پشم اور اون اتارا کرتے تھے۔ انہیں ذبح کر کے چمڑا حاصل کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ کھجوروں اور انگوروں کو خشک کر کے کشمش اور منقے وغیرہ بنایا کرتے تھے۔ یہ تمام چیزیں وہ اپنے ساتھ تجارت کے لیے لے جایا کرتے تھے اور اس طرح ان کی تجارت کا بازار گرم رہتا تھا۔

آج کل کی طرح اس زمانے میں بھی تاجروں کے مختلف طبقے تھے۔ بعض صرف کپڑا بیچتے تھے، بعض تیل اور چربی کا کاروبار کرتے تھے۔ بعض گوشت بیچتے تھے بعض سامان جنگ کی تجارت کرتے تھے، بعض کا پیشہ غلاموں کی خرید و فروخت تھا، بعض شراب یا جڑی بوٹیوں وغیرہ کا بیوپار کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ وہ دونوں بزازی کا کام کرتے تھے۔

تجارت کرنے کی وجہ سے قریش کے پاس مال و دولت کی کمی نہ تھی اور وہ بافراغت زندگی بسر کرتے تھے۔ یہ مال و دولت کی فراوانی ہی تھی جس کے باعث وہ جنگ بدر کے بعد اپنے بہت سے قیدیوں کو زر فدیہ دے کر رہا کرا سکے۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا اور تجارت:

خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تجارت بھی دوسروں سے کسی طرح کم نہ تھی۔ وہ حجاز اور مکہ معظمہ کی پیداوار معدنیات وغیرہ شام بھیجا کرتی تھیں اور ان کی فروخت سے جو

قیمت حاصل ہوتی تھی اس سے وہاں کی چیزیں خرید کر مکہ معظمہ اور سوق عکاظ وغیرہ میں فروخت کیا کرتی تھیں۔

جب انہوں نے محمد بن عبداللہ کی امانت و دیانت، حسن اخلاق اور حسن سیرت کا شہرہ سنا تو آپ سے درخواست کی کہ آپ ان کا مال شام لے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب سے مشورہ کیا۔ انہوں نے رائے دی کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی درخواست قبول کر لینی چاہیے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تجارتی مال لے کر ان کے غلام میسرہ کے ہمراہ شام چلے گئے۔ وہاں جا کر آپ نے بڑے مناسب داموں پر وہ مال فروخت کر دیا اور اس کے بدلے شام کا مال لے کر مکہ آ گئے۔ وہ مال خدیجہ رضی اللہ عنہا نے مکہ معظمہ میں بیچ کر بڑا بھاری نفع حاصل کیا۔

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال کی تھی۔ اس عمر میں عرب کے نوجوان بالعموم کھیل کود، بے فکری، سیر و شکار اور گپ شپ میں اوقات ضائع کیا کرتے تھے لیکن آپ میں ایسی کوئی بات نہ تھی اور آپ نے کبھی اپنے اوقات کو فضول کاموں میں ضائع نہ ہونے دیا تھا۔

شام سے واپسی پر خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے غلام میسرہ سے آپ کا سارا احوال پوچھا میسرہ نے آپ کے اخلاق کی بے حد تعریف کی اور کہا کہ اس نوجوان کی سرشت اپنے تمام دوسرے ہم عمروں سے بالکل مختلف ہے۔ دوسرے لوگوں کے برعکس یہ تنہائی اور علیحدگی کا دلدادہ ہے۔ شہر کے شور و شغب کے مقابلے میں صحرا کا سکوت اور دن کے ہنگاموں کے مقابلے میں رات کا پُرسکون ماحول اسے زیادہ پسند ہے۔ اس کے ہمجولی زندگی کی دلچسپیوں سے پوری طرح فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن اسے ان باتوں سے قطعاً سروکار نہیں۔

میسرہ کی ان باتوں نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دل پر بہت اثر کیا اور جو قلبی تعلق انہیں آپ سے تھا اس میں مزید استواری پیدا ہو گئی۔ بالآخر انہوں نے اشارات و کنایات سے آپ کی زوجیت میں آنے کی خواہش کی۔ آپ نے اس کے متعلق حسب دستور اپنے چچا ابو طالب سے مشورہ کیا جو بجائے باپ کے اس وقت آپ

کے سرپرست تھے۔ انہوں نے یہ تعلق پسند کیا اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر اپنے بھتیجے کی طرف سے نکاح کا پیغام دے دیا جو انہوں نے قبول کر لیا اور اپنے چچا عمرو بن سعد کو کہلا بھیجا کہ وہ ان کے ولی بن کر نکاح کی رسوم پایہ تکمیل تک پہنچا دیں۔

شادی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچاؤں اور رؤساء مضر کو لے کر محفل عقد میں تشریف لائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اس موقع پر موجود تھے۔ جب تمام لوگ جمع ہو گئے تو ابو طالب نے خطبہ نکاح شروع کیا۔ آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں ابراہیم علیہ السلام کی نسل، اسماعیل علیہ السلام کی اولاد اور قبیلۂ مضر کا فرد بنایا۔ اس نے ہمیں اپنے گھر کا محافظ اور اپنے حرم کا نگہبان مقرر کیا، وہ حرم جس کا حج کرنے کے لیے ہر چہار طرف سے لوگ کھنچے چلے آتے ہیں۔ اس نے ہمیں لوگوں کا حاکم اور سردار بنایا۔ اس کے بعد واضح ہو کہ یہ میرا بھتیجا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو دوسرے لوگوں سے شرافت، عزت، حسب و نسب، فضل اور عقل میں کسی طرح کم نہیں۔ گو اس کے پاس مال و دولت نہیں لیکن مال تو ایک آنی جانی چیز ہے۔ اصل چیز اور سرمایہ عزت و شرافت ہے۔ میں اس کے نکاح کا اعلان خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد سے کرتا ہوں۔''

ابو طالب کے خطبے کے بعد ابو نوفل کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔

''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ایسا ہی بنایا جیسا اے ابو طالب! تم نے بیان کیا ہے۔ اس نے ہمیں ایسی ہی فضیلت دی جس کا اظہار تم نے ابھی کیا ہے۔ ہم عرب کے سردار اور راہبر ہیں اور تم ان تمام باتوں کے مستحق ہو جو تم نے ابھی بیان کی ہیں۔ تمہاری خاندانی فضیلت سے کوئی بھی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ تمہارے فخر اور شرافت کو کوئی شخص جھٹلا نہیں سکتا۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم بھی تم سے تعلقات قائم کر کے تمہارے شرف میں حصہ دار ہو جائیں۔ سو، اے گروہ قریش! گواہ ہو کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کا نکاح محمد بن عبداللہ سے مہر مقرر پر کر دیا ہے۔''

"یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے، جس پر ابو طالب نے کہا:

"میں چاہتا ہوں کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا بھی کچھ بولیں تا کہ نکاح کی تمام شرائط پوری ہو جائیں۔"

اس پر خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا عمرو بن سعد نے اٹھ کر کہا:

"گواہ رہو اے گروہ قریش! کہ مجھے محمد بن عبداللہ کا نکاح خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد سے منظور ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنا نکاح خدیجہ رضی اللہ عنہا سے قبول فرمایا۔ نکاح کی گواہی میں متعدد صنادید قریش شریک ہوئے۔ اس کے بعد ان اونٹوں میں سے جو ابو طالب نے مہر میں دیئے تھے۔ ایک اونٹ ذبح کیا گیا اور اہل قبیلہ کی دعوت کی گئی۔

زندگی کا نیا دور:

یہ شادی دونوں کے لیے بہت مبارک ثابت ہوئی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بہت مالدار عورت تھیں۔ انہوں نے نکاح کے بعد اپنا سارا مال بے پس و پیش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حاضر کر دیا اور کہا کہ آپ اسے جس طرح چاہیں خرچ کریں مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس پیش کش کو بڑی خوشی سے قبول فرمایا اور اس مال کو غریب و مسکین لوگوں، مسافروں، یتیموں، مظلوموں اور غلاموں کی امداد پر خرچ کرنا شروع کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رحم دلی اور احسان شناسی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ شادی کے بعد آپ نے ان لوگوں کو کبھی فراموش نہ کیا جنہوں نے طفلی اور نوجوانی کی عمر میں آپ سے حسن سلوک روا رکھا تھا۔ اس سے قبل آپ غریبی کی وجہ سے ان کے حسن سلوک کا کوئی بدلا نہ دے سکتے تھے۔ لیکن اب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مال و دولت سے نوازا تھا، آپ نے انہیں بدلا دینے ان کی مدد کرنے اور ان کی ضروریات پوری کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بھی اس احسان و سلوک میں آپ کی پوری پوری شریک تھیں اور وہ

صلہ رحمی و سخاوت میں آپ کی برابر مدد کرتی رہتی تھیں۔ ان دونوں کی معاشرتی زندگی درحقیقت ایک جنت تھی جو انہوں نے خود اپنے لیے پیدا کر لی تھی۔

وحی کا نزول:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال چند مخصوص مہینے شہر سے دور پہاڑوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارا کرتے تھے۔ معمول کے مطابق ایک مرتبہ غار حرا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے تھے کہ یکایک جبریل علیہ السلام کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کا نزول ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سامنے ایک ایسی ہستی کو دیکھا جو نہ کسی انسان سے مشابہ تھی اور نہ قوت متخیلہ اس کا تصور کر سکتی تھی۔ اس فرشتے نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن کریم کی چند آیات پڑھائیں اور اس کے بعد غائب ہو گیا۔

لق و دق صحرا اور سنسان، ویران پہاڑوں کے درمیان یہ حیرت انگیز ڈراما ایک یکہ و تنہا انسان کے ہوش و حواس گم کر دینے کو کم نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت گھبرائے ہوئے گھر تشریف لائے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی بڑی بے تابی سے آپ کا انتظار کر رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر انہوں نے کہا:

"اے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں تھے؟ میں نے شدید انتظار کے بعد لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں بھیجا۔ وہ مکہ معظمہ بھر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ڈھونڈ آئے ہیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ملے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سارا واقعہ سنایا۔ انہوں نے آپ کو تسلی دی اور فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بال تک بیکا نہ ہو گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں، نوواردلوگوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں، غریبوں اور بے کسوں کی مدد کرتے ہیں، حاجت مندوں کی حاجت رفع کرتے ہیں، نادار اور اپاہج لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں اور ان کا کام کرتے ہیں۔ اس صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی ضرر کیوں پہنچنے لگا؟"

یہ کہہ کر وہ اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں اور اسے سارا واقعہ سنایا۔ ورقہ ایک عیسائی عالم تھا۔ توریت اور انجیل پر اسے بہت عبور حاصل تھا۔ وہ ان کتابوں کی باریکیوں اور پچھلی نبوتوں کے اخبار و حالات سے خوب واقف تھا۔ اس نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے یہ واقعہ سن کر کہا:

''اے خدیجہ رضی اللہ عنہا! اگر تو مجھے سچا جانتی ہے تو اصل بات یہ ہے کہ تیرے شوہر کے پاس وہی ناموس اکبر (جبریل علیہ السلام) آیا تھا جو اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کے پاس آچکا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً اللہ تعالیٰ کا نبی ہے۔''

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ورقہ کی بات سن کر گھر آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سارا ماجرا بیان کیا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو تسلی ہوگئی۔

اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدمی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی ہمدردی کا جو نمونہ دکھایا اس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے۔ کفار مکہ معظمہ کی طرف سے جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی جاتی، آپ کی ہنسی اڑائی جاتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جاتا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی کی ذات ہوتی تھی جو اس آڑے وقت میں آپ کی تسلی اور تسکین کا باعث بنتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے ہزاروں لاکھوں سلام اور رحمتیں ہوں اس پاکباز خاتون پر جس نے اپنا تن من دھن، سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی خاطر قربان کر دیا۔

خاندان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے اور بیٹیاں:

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے چھ اولادیں بخشیں، دو لڑکے، قاسم رضی اللہ عنہ اور عبداللہ رضی اللہ عنہ اور چار لڑکیاں، زینب رضی اللہ عنہا، رقیہ رضی اللہ عنہا، ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا۔

چند لوگوں کے سوا باقی تمام مسلمان اور یوروپی مورخین کا اس تعداد پر اتفاق ہے۔ اس کے باوجود بعض لوگ خواہ مخواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹوں اور بیٹیوں کی

تعداد کے بارے میں بحث مباحثہ کرنے لگتے ہیں۔

جو لوگ حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے سوا حضور ﷺ کی باقی بیٹیوں کے وجود سے انکار کرتے ہیں ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ثابت شدہ حقائق کو جان بوجھ کر مسخ کیا جائے اور حق سے کھلم کھلا روگردانی اختیار کر کے باطل کی پیروی کی جائے۔

مشہور عیسائی مستشرق لامنس نے فرانسیسی میں ایک کتاب حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اور رسول اللہ ﷺ کی دیگر صاحبزادیوں کے متعلق لکھی ہے۔ اس نے دعویٰ کیا ہے کہ اس کتاب کے لکھنے میں اس نے تاریخ اسلام کی ابتدائی اور مستند کتابوں سے استفادہ کیا ہے لیکن کتاب میں جو روش اس نے اختیار کی ہے وہ نہایت عجیب وغریب ہے بعض جگہ تو اس نے رسول اللہ ﷺ کی بعض بیٹیوں کے وجود ہی سے انکار کر دیا ہے اور بعض جگہ ان کا ذکر تو کیا ہے لیکن انتہائی دل آزار انداز میں۔ کتاب کیا ہے بہتان وافتراء کی پوٹ ہے۔

ہماری اس کتاب کا موضوع اس امر کا متقاضی ہے کہ اس جگہ لامنس کے بیانات پر ٹھوس اور مدلل تبصرہ کیا جائے۔ خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ لامنس کی کتاب عربی اور فرانسیسی زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جس میں حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اور آپ کی دیگر بہنوں کا ذکر ایک خاص اسلوب سے کیا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی بیٹیوں کی گھریلو زندگی کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ آج تک کسی مورخ اور مصنف نے اس طرح پیش نہیں کیا۔

لامنس لکھتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو بیٹوں کی بڑی خواہش تھی کیونکہ بیٹا نہ ہونے کی وجہ سے انہیں روز وشب اپنی قوم کے طعنے سننے پڑتے تھے۔ ان کے مخالف برملا کہتے تھے کہ محمد ﷺ (نعوذ باللہ) ابتر ہیں کیونکہ ان کا کوئی لڑکا زندہ نہیں رہتا جس سے ان کی نسل باقی رہے۔ قرآن پاک نے اس طعنے کا جواب اس طرح دیا کہ خود ان طعنہ دینے والوں کو ابتر کا لقب دے دیا اور کہا۔ ''ان شانئک ھو الابتر (اے محمد ﷺ! تیرا دشمن ہی ابتر ہے۔)''

بعض لوگ کہتے تھے "محمد ﷺ کا نہ کوئی بیٹا ہے نہ بھائی۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا ذکر بھی منقطع ہو جائے گا۔"

لامنس لکھتا ہے۔

"یہی وہ اسباب تھے جن کی بنا پر مولفین کتب سیر نے اپنی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کے کئی بیٹوں اور بیٹیوں مثلاً طیب اور مطیب، عبدالعزیٰ اور عبد مناف کا ذکر کیا ہے حالانکہ ان بیٹوں کا وجود ثابت کرنا حد درجہ دشوار امر ہے۔ خصوصاً اس حالت میں کہ خود مولفین سیرۃ نبویہ میں ان کے ناموں اور وجود کے بارے میں اختلاف ہے۔"

لامنس نے اپنے قارئین کو صریح فریب دہی اور مغالطہ انگیزی میں مبتلا کرنا چاہا ہے۔ تاریخ کا یہ ایک مسلمہ واقعہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی چار بیٹیاں اور تین بیٹے تھے جن میں سے سوا ابراہیم رضی اللہ عنہ کے جو ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے، باقی سب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے۔ بیٹیوں میں سب سے بڑی زینب رضی اللہ عنہا تھیں ان سے چھوٹی رقیہ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور سب سے چھوٹی فاطمہ سلام اللہ علیہا۔ بیٹوں میں سب سے بڑے قاسم رضی اللہ عنہ تھے انہیں کی وجہ سے آپ ﷺ کی کنیت بھی ابو القاسم تھی۔ یہ نبوت کا شرف حاصل ہونے سے قبل مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور دو سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ آپ کی اولاد میں سب سے پہلے انہیں نے وفات پائی۔ ان کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے چار بیٹیاں بہ ترتیب بالا ہوئیں۔ ازاں بعد زمانہ اسلام میں آپ ﷺ کے ایک لڑکا تولد ہوا جس کا نام آپ ﷺ نے عبداللہ رکھا۔ اسی کو طیب رضی اللہ عنہ و طاہر رضی اللہ عنہ بھی کہتے تھے[1] یہ تمام

---

[1] لامنس نے رسول اللہ ﷺ کے بیٹوں کا ذکر کرتے ہوئے ایسی فاش غلطی کی ہے جسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اس نے طیبؓ و طاہرؓ کا نام دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ یہ دو مختلف بیٹوں کے نام ہیں حالانکہ دراصل یہ ایک ہی بیٹے کے دو نام ہیں اور اسی بناء پر اس نے مورخین اسلام پر الزام لگا دیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بیٹوں کی تعداد میں خواہ مخواہ اضافہ کر دیا ہے۔ ہمارے خیال میں اسے حقیقت کا بخوبی علم ہے اور عمداً محض اعتراض کرنے کے لیے ایسا لکھ دیا ہے۔ ہمارا یہ خیال اس وجہ سے ہے کہ ایسی ایسی غلطیاں تو مدارس کے بچوں سے بھی نہیں ہوتیں چہ جائیکہ ایسے شخص سے ہوں جسے بڑا مورخ اور مستشرق ہونے کا دعویٰ ہو۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے۔ جب قاسم رضی اللہ عنہ کے بعد عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی وفات پا گئے تو عاص بن وائل سہمی نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل منقطع ہو گئی اس لیے وہ ابتر ہے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اور کوئی اولاد نہ ہوئی۔

۸ھ میں حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے لیکن سترہ مہینے اور بعض روایات کے مطابق اٹھارہ مہینے کی عمر پا کر ۱۰ھ میں فوت ہو گئے۔

اس کے بعد لائنس، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"مورخین عرب ذکر کرتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو بیٹیاں رقیہ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا اپنے پیچھے کوئی اولاد چھوڑے بغیر وفات پا گئیں۔ ام کلثوم رضی اللہ عنہا ان کی کنیت نہ تھی بلکہ اصلی نام تھا وہ اور رقیہ رضی اللہ عنہا اپنے والد کے چچا ابولہب کے دو بیٹوں سے بیاہی گئیں لیکن ان دونوں نے بعد میں انہیں طلاق دے دی۔ اس پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رقیہ کی شادی عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان سے کر دی اور رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد دوسری بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو بھی ان کے عقد میں دے دیا۔"

"مورخین عرب کا یہ بھی بیان ہے کہ رقیہ رضی اللہ عنہا ہجرت حبشہ میں شریک تھیں لیکن ہجرت مدینہ منورہ کے بعد ان کے والد نے انہیں اپنے پاس بلا لیا مگر انہیں زیادہ دن تک زندہ رہنا نصیب نہ ہوا، اور عین اس دن جب مسلمان جنگ بدر سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ میں داخل ہو رہے تھے۔ رقیہ وفات پا گئیں۔ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نام سیرت کی قدیم کتابوں میں صرف ایک بار آیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ حقیقت میں ان بیٹیوں کا کوئی وجود نہ تھا یہ سب مولفین سیرۃ نبوی کی من گھڑت روایات ہیں جو انہوں نے محض اس لیے اختراع کر لی ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل کو زیادہ ثابت کیا جا سکے۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لقب ذوالنورین کی وجہ تسمیہ کے بیان میں لائنس لکھتا ہے:

"عرب اپنے ناموں کی ابتداء میں ذی اور ذو وغیرہ الفاظ کثرت سے استعمال کرتے تھے چنانچہ ان لوگوں کے لقب عموماً اس طرح ہوتے تھے، ذوالیدین

(دو ہاتھوں والا) ذوالوجہین (دو چہروں والا)، ذات النطاقین (دو بیٹیوں والا) عثمان رضی اللہ عنہ کا لقب بھی اسی طرح ذوالنورین پڑ گیا تھا۔ اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوسکتی یہ لقب عثمان رضی اللہ عنہ کو اس لیے دیا گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیاں ان کے عقد میں آئی تھیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ لقب انہیں پہلے ہی سے ملا ہوا ہو۔

زینب رضی اللہ عنہا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کا ذکر کرتے ہوئے لائنس لکھتا ہے:

"کتنے تعجب کی بات ہے، زینب رضی اللہ عنہا کی اولاد کو مورخین عرب اور دیگر مسلمانوں نے اس قدر گمنامی کی حالت میں ڈال دیا کہ آج ان کا نام بھی کوئی نہیں جانتا۔ حیرت بالائے حیرت یہ کہ والد مکہ معظمہ سے ہجرت کرتے ہیں لیکن بیٹی کو قریش کے رحم وکرم پر مکہ معظمہ ہی میں چھوڑ جاتے ہیں۔ چنانچہ یعقوبی لکھتا ہے۔

"زینب رضی اللہ عنہا اپنے خالہ زاد بھائی اور شوہر ابو العاص بن ربیع بن عبد العزیٰ بن عبد شمس کے پاس رہیں۔ ابو العاص کی والدہ ہالہ بنت خویلد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں، ان واقعات پر غور کرنے سے ہم یہ نتیجہ نکالے بغیر نہیں رہ سکتے کہ زینب رضی اللہ عنہا نے از خود اپنے شوہر سے مفارقت اختیار کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے والد کے ساتھ ہجرت کرنے کے بجائے اپنے شوہر کے ساتھ مکہ معظمہ میں رہنے کو ترجیح دی۔ تاریخ طبری سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ وہاں مذکور ہے کہ ابو العاص حالت شرک ہی میں زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہے اور فتح مکہ معظمہ سے بہت تھوڑا عرصہ قبل اسلام قبول کیا۔"

لائنس نے سیدھے سادھے حقائق کو مسخ کر کے جو نتائج نکالے ہیں وہ حد درجہ افسوسناک ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کرنے کی کبھی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی کیونکہ وہ ان سے غائت درجہ حسن سلوک سے پیش آتے تھے اور دیگر مشرکین سے ان کی پوری حفاظت کرتے تھے۔ اگر قریش بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے اسی قسم کا سلوک روا رکھتے جو ابو

العاص نے اپنی بیوی زینب رضی اللہ عنہا سے روا نہ رکھا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے ہجرت کرنے کی کبھی ضرورت ہی پیش نہ آتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ ہی میں رہ کر دین اسلام کی نشر و اشاعت میں مصروف رہتے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی لڑکی تھیں۔ ان کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت سے قبل ان کے خالہ زاد بھائی ابو العاص بن ربیع سے ہوا۔ دونوں میاں بیوی میں حد درجہ محبت تھی۔ جب جنگ بدر میں دوسرے قیدیوں کے ہمراہ ابو العاص بھی قید ہو گئے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان کے فدیے میں کچھ چیزیں بھیجیں ان چیزوں میں ایک ہار بھی تھا جو ان کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے شادی کے موقع پر انہیں جہیز میں دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت یہ ہار دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھر آیا اور آپ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ چاہو تو خدیجہ رضی اللہ عنہا کی امانت اس کی بیٹی کو واپس کر دو۔ یہاں کسے عذر تھا، ہار واپس کر دیا گیا اور ابو العاص رہا کر دیئے گئے۔

ابو العاص بحالت مجبوری جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ ویسے ان کا دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بالکل صاف تھا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حد عزت کرتے تھے جس وقت مکہ معظمہ میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا ہونے شروع ہوئے تو کفار نے ابو العاص پر زور ڈالا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قید سے رہائی بخشی تو ساتھ ہی شرط کر لی کہ وہ واپس جا کر زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ بھجوا دیں گے۔ ابو العاص نے شرط پوری کر دی اور زینب رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ پہنچ گئی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ میں تھیں اور ابو العاص بدستور شرک کی حالت میں بمقام مکہ معظمہ مقیم تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شرک کی وجہ سے نکاح فسخ کر دیا تھا۔ فتح مکہ معظمہ سے کچھ عرصہ قبل ابو العاص تجارت کے لیے شام گئے۔ وہاں سے واپس آ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک دستہ سے ان کی مڈ بھیڑ ہو گئی۔ مسلمانوں نے کفار کے اونٹوں اور مال اسباب پر قبضہ کر لیا۔ ابو العاص

کسی طرح بھاگ نکلے اور چھپتے چھپاتے مدینہ منورہ میں زینب ؓ کے پاس پہنچ گئے اور امن کے طالب ہوئے۔ زینب ؓ نے انہیں فوراً امان دے دی۔

جب رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو زینب ؓ نے پکار کر کہا۔

''لوگو! میں نے ابوالعاص بن ربیع کو پناہ دے دی ہے۔''

جب رسول اللہ ﷺ نے یہ آواز سنی تو آپ ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''میں نے جو کچھ سنا ہے کیا تم نے بھی سنا ہے؟''

لوگوں نے جواب دیا۔ ''سنا ہے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، مجھے اس واقعے کا مطلق علم نہیں، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ مسلمانوں میں سے ادنیٰ سے ادنیٰ شخص کو بھی کسی شخص کو پناہ دینے کا اختیار حاصل ہے۔''

یہ کہہ کر آپ ﷺ اپنی بیٹی کے پاس آئے اور فرمایا:

''بیٹی! اپنے مہمان کی خاطر تواضع کرو لیکن وہ تمہارے پاس آنے نہ پائیں کیونکہ اب تم دونوں کے تعلقات زوجیت کے نہیں۔''

زینب ؓ نے کہا۔ ''ابوالعاص دراصل اپنا مال اسباب لینے آئے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے اس دستے کے لوگوں کو جنہوں نے ابوالعاص کا مال لیا تھا جمع کیا اور فرمایا۔

''اس شخص کے ہم سے جو تعلقات ہیں وہ تمہیں اچھی طرح معلوم ہیں۔ تم نے اس کا مال لے لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ تمہارے لیے جائز قرار دیا ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم ابوالعاص پر احسان کرو اور اسے اس کا مال واپس دے دو۔ اگر تمہیں اس سے انکار ہو تو میں تم پر کوئی جبر نہیں کر سکتا۔''

یہ سن کر لوگوں نے بالاتفاق عرض کی کہ حضور ﷺ کی خوشی سے بڑھ کر ہمیں اور کوئی خوشی عزیز نہیں ہو سکتی۔ ہم ابوالعاص کا سارا مال واپس دے دیتے ہیں۔

چنانچہ انہوں نے ابوالعاص کا سارا مال واپس دے دیا۔ وہ اسے لے کر مکہ

معظمہ آئے اور لوگوں کو ان کی امانتیں واپس کیں۔ اس کے بعد لوگوں سے پوچھا کیا اب بھی میرے ذمے کسی شخص کا مال ہے؟"

لوگوں نے کہا۔ "نہیں۔"

اس پر انہوں نے کہا۔ "تو جان لو کہ میں مسلمان ہوتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نئے مہر کے بدلے ان کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کر دیا۔ ان کے بطن سے دو بچے پیدا ہوئے۔ ایک لڑکا علی اور ایک لڑکی امامہ۔ علی تو صغر سنی ہی میں فوت ہو گئے۔ امامہ سے بعد میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بن ابی طالب نے شادی کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بچی سے بہت پیار کیا کرتے تھے۔ جب نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو اسے اپنے کندھے پر بٹھا لیتے جب رکوع کرتے تو اسے کندھے سے اتار دیتے اور جب سجدے سے سر اٹھاتے تو دوبارہ کندھے پر چڑھا لیتے۔

لامنس بھی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی اولاد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ان سے دو بچے پیدا ہوئے۔ ایک لڑکا، ایک لڑکی۔ لڑکے کا نام علی تھا اور لڑکی کا نام ہالہ۔ علی بچپن ہی کے زمانے میں فوت ہو گئے، لیکن ہالہ والدین کی وفات کے بعد عرصے تک زندہ رہیں[1] وہ اس امر پر تعجب کا اظہار کرتا ہے کہ ابو العاص کی دولت ہالہ کے پاس نہ رہی بلکہ ان کے والد کے چچیرے بھائی، زبیر بن عوام کے پاس چلی گئی اس نے ان کے معاصرین پر الزام لگایا ہے کہ انہوں نے ہالہ کی حق تلفی ہوتے اور اس کا مال دوسروں کے قبضے میں جاتے دیکھا لیکن اس کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھائی اور خاموش بیٹھے سارا ماجرا دیکھتے رہے۔

فاطمہ سلام اللہ علیہا:

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے وجود سے لامنس کو انکار یا شک نہیں۔ وہ کہتا

---

[1] اکثر مورخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضرت زینبؓ کی بیٹی کا نام امامہ تھا البتہ چند ایک کا یہ خیال ہے کہ اس کا نام ہالہ تھا۔ لامنس نے موخر الذکر لوگوں کا قول اختیار کیا ہے۔

ہے کہ بلاشبہ فاطمہ سلام اللہ علیہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تھیں جو خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ لیکن ساتھ ہی وہ اس امر پر متعجب ہے کہ مورخین نے اس شخصیت کے حالات کے بارے میں بہت غفلت اور بے پروائی برتی ہے اور اپنے تذکروں میں ان کے بہت ہی کم حالات درج کیے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ ابتدائی زمانے میں تو فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شخصیت کو تقریباً نظر انداز ہی کر دیا گیا تھا لیکن جب شیعیت نے زور پکڑا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ذکر کے ساتھ ساتھ فاطمہ سلام اللہ علیہا کا ذکر بھی منظر عام پر آنے لگا۔

اصل میں مورخین سیرت نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بہنوں کے ذکر میں اس بنا پر اجمال سے کام لیا ہے کہ ان لوگوں کے پیش نظر نبوت اور اسلام کی تاریخ لکھنے کا کام تھا۔ نبوت اور اسلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں سے خصوصیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ وہ نہ تو کسی جنگ میں شریک ہوئیں، نہ کسی معرکے میں حصہ لیا، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جاری کردہ سیاست اور شریعت میں ان کا کوئی ایسا عمل دخل تھا کہ مورخین کے لیے ان کا ذکر کرنا اور ان کے بسیط سوانح بیان کرنا ضروری ہوتا۔ اس لیے مورخین نے ان کا ذکر انہیں مقامات پر کیا ہے جہاں ذکر کرنا ضروری تھا۔ انہوں نے کسی تعصب کی وجہ سے ایسا نہیں کیا بلکہ محض اس لیے کہ تاریخی واقعات خلط ملط نہ ہونے پائیں۔

مورخین عرب اور مستشرقین میں بھی آپ کی اور آپ کی بہنوں کی ولادت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی لڑکی قرار دیا ہے اور بعض نے اس کے خلاف لکھا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی لڑکی ہیں۔ لامنس لکھتا ہے۔

"بعض مورخین سیرت نے (جن کے نام اس نے نہیں لکھے) فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ولادت محض اس لیے بعد میں بیان کی ہے تاکہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ جب علی کرم اللہ وجہہ ابن ابی طالب نے ان کے لیے پیغام دیا تو وہ زیادہ عمر کو نہ پہنچی تھیں اور یہ بات ثابت نہ ہو سکے کہ ان کی شادی میں بہت زیادہ تاخیر ہوئی

لیکن کسی نے اصلیت پر غور کرنے کی کوشش نہ کی۔

مورخین کا اس امر پر اجماع ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی شادیاں حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شادی سے پہلے ہو چکی تھیں۔ حضرت رقیہ کی شادی ابولہب کے بیٹے وشی سے ہوئی تھی اور یہ بات لازم ہے کہ یہ شادی نبوت سے پہلے ہوئی تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت بڑھی تو اس نے انہیں طلاق دے دی۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی لڑکی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے پہلے ہو چکا تھا (اس موقع پر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ کافروں سے مسلمان عورتوں کے نکاح کی ممانعت ہجرت کے بعد ہوئی۔ آیت تحریم مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھی۔)

جیسا کہ اس سے قبل ہم ذکر کر چکے ہیں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی شادی اپنی بڑی بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے پہلے ہوئی تھی۔ اپنے پہلے شوہر سے طلاق انہیں ہجرت حبشہ سے قبل ہی ہو چکی تھی۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان سے کر دیا۔ جب حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو ان کے دوسرے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ تھے۔

ابن کلبی نے لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ولادت حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی ولادت سے پہلے ہوئی تھی۔ لیکن یہ درست نہیں۔ دوسرے مورخین مقریزی، ابن جوزی مولف تاریخ الخمیس وغیرہ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کی ترتیب ولادت میں غلطی کھائی ہے۔ لیکن وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا رسول اللہ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی لڑکی نہ تھیں۔ ابن عبدالبر لکھتے ہیں۔

"زینب رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی لڑکی تھیں۔ ان کے بعد فاطمہ سلام اللہ علیہا پیدا ہوئیں۔

ولادت فاطمہ سلام اللہ علیہا:

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ولادت کب ہوئی؟ ہنجر مولف کتاب "حیات محمد ﷺ" آپ کی صحیح تاریخ ولادت کی ترتیب معین کرنے سے قاصر رہا ہے۔ چنانچہ اس نے اس ضمن میں صرف اس قول پر اکتفا کی ہے۔

"غالباً مورخین سیرت نے فاطمہ سلام اللہ علیہا کی عمر ایسی کتابوں اور مستندات سے لے کر لکھی ہے جو ہم تک نہیں پہنچیں۔

لائنس اس بیان کا مذاق اڑاتے ہوئے لکھتا ہے:

"یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ ایسی مستندات پر اعتماد کیا جائے جو سرے سے موجود ہی نہ ہوں۔"

لیکن مورخین عرب میں گو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی عمر اور ان کے سال ولادت کے بارے میں اختلاف ہے پھر بھی ان میں سے اکثر نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت اس سال یا اس کے قریب ہوئی جس سال خانہ کعبہ کو ڈھا کر اسے نئے سرے سے بنایا گیا۔ یعقوبی لکھتا ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت نزول وحی کے بعد ہوئی۔ لیکن یہ روایت ضعیف ہے بعض مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پانچ سال بڑی تھیں۔ مسعودی لکھتے ہیں کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا ہجرت سے آٹھ سال قبل پیدا ہوئیں اور ان کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور رسول اللہ ﷺ کی شادی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہجرت کے چھٹے سال میں ہوئی۔

لائنس لکھتا ہے:

"اگر یہ قول صحیح مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ولادت کے وقت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر ساٹھ سال کی تھی حالانکہ اس عمر میں عورت بچہ پیدا کرنے کے ناقابل ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ متعدد مستند کتابوں سے یہ ثابت ہے کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات پچپن برس کی عمر میں ہوئی۔

اس پوری بحث پر نظر ڈالنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ولادت بلاشبہ نبوت سے پہلے ہوئی۔ لیکن وہ بلوغت کو ہجرت سے چار یا پانچ سال پہلے پہنچی تھیں جب خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی عمر کے پچپن سال پورے کر چکی تھیں یہی رائے درست ہے۔ اسی پر مورخین کا اجماع ہے۔ اس کے سوا جو روایات ہیں وہ سب ناقابل اعتماد ہیں۔

فاطمہ سلام اللہ علیہا شادی سے قبل

مورخین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبل از اسلام زندگی پر زیادہ تفصیل سے روشنی نہیں ڈالی۔ اس کا سبب جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، یہ ہے کہ مورخین کا مقصد دراصل اسلام کی تاریخ بیان کرنا ہوتا ہے۔ اسی لیے انہوں نے ان واقعات کو جو براہ راست رسالت اور اسلام سے تعلق نہیں رکھتے، بہت اجمال سے بیان کیا ہے۔ اس درمیانی عرصے میں اگر مورخین نے تفصیل سے کام لیا ہے تو صرف اس واقعے میں جس میں حجر اسود کو اس کی جگہ رکھنے کا ذکر آتا ہے۔

جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی خانگی زندگی کا تعلق ہے اس کے متعلق مورخین مذکور کی کتابوں میں صرف یہ اشارہ ملتا ہے کہ بہت پُرسکون تھی۔ اسی بیان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بہت سے پہلو نظر کے سامنے آجاتے ہیں۔

فاطمہ سلام اللہ علیہا اپنے والد کے گھر میں:

فاطمہ سلام اللہ علیہا بھی اس عرصے میں اپنے والد کے ساتھ اطمینان اور سکون کی زندگی گزار رہی تھیں لیکن لامنس اس زندگی کو بھی نہایت بھیانک صورت میں پیش کرتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

''فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شخصیت کے حقیقی خط و خال سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم وہ خوشنما پردے چاک کر دیں جو مورخین نے ان کی شخصیت کے اردگرد تان رکھے ہیں اور ان کی زندگی پر تنقیدی اور مورخانہ نظر ڈالیں۔ اصل بات یہ ہے

کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی اپنے والد اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی نظروں میں وہ قدر و منزلت نہ تھی جو بالعموم محبوب اولاد کی اپنے والدین اور دیگر اعزہ و اقرباء کی نظروں میں ہوتی ہے۔ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو اپنے والد کے گھر میں نہ قرار واقعی احترام حاصل تھا نہ حقیقی وقار۔ پیغمبر کی بیویوں عائشہ رضی اللہ عنہا، وحفصہ رضی اللہ عنہا اور زینب رضی اللہ عنہا وغیرہ کو گھر میں جو رتبہ حاصل تھا فاطمہ سلام اللہ علیہا اس سے محروم تھیں۔ ہم یہ بات بلا دلیل نہیں کہہ رہے بلکہ تاریخی حقائق کا پوری طرح مطالعہ کرنے کے بعد بیان کر رہے ہیں۔ سیرت کی قدیم کتابوں کے مطالعہ سے ہم پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ ان میں عموماً فاطمہ سلام اللہ علیہا کے ذکر سے اغماض برتا گیا، چنانچہ سیرت ابن ہشام جیسی ابتدائی اور مبسوط کتاب میں ان کا ذکر صرف دو مرتبہ آیا ہے حالانکہ اسی سیرت میں علی بن ابی طالب کا ذکر متعدد بار بالتفصیل آیا ہے۔ کیا مولف سیرت کا فرض نہ تھا کہ وہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کا بھی تفصیل سے ذکر کرتا جو اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی تھیں۔ یہی حال ابن سعد کا بھی ہے۔ اس نے اپنی طبقات میں علی کرم اللہ وجہہ کی سیرت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اگرچہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے متعلق ایک باب ضرور مختص کیا ہے لیکن اس میں بھی ان کا ذکر چند سطروں ہی میں ہے۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۶، صفحہ ۲۸۲)

اہل بیت نبوی کی تعظیم و تکریم اور تقدیس کا جو جذبہ آج پایا جاتا ہے اس کی ابتداء مسلمانوں کی دوسری نسل سے ہوئی۔ اس وقت مورخین اور غیر مورخین نے فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شخصیت کو اجاگر کرنا اور ان پر تقدیس و اکبار کے پردے چڑھانے شروع کیے۔ لیکن اس دور میں بھی جو خصوصیت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کی اولاد (جو فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بطن سے تھی) کو حاصل رہی ہے وہ فاطمہ سلام اللہ علیہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل نہ ہوئی۔

ابو الفرج اصبہانی کی تالیف کتاب الاغانی میں بھی فاطمہ سلام اللہ علیہا کا نام بہت کم جگہ آیا ہے۔ حالانکہ ابو الفرج علویین کی دوستی میں مشہور تھا۔ مسعودی مولف، مروج الذہب اور یعقوبی، یہ دو شخص ایسے ہیں جنہوں نے سب سے پہلے

اپنی کتابوں میں فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شخصیت اور ان کے بلند مرتبے کو حقیقی طور پر اجاگر کیا ہے۔ بعد میں آنے والے مورخین نے بھی فاطمہ سلام اللہ علیہا کے ذکر میں انہیں دو مورخوں کی پیروی کی۔

اس جگہ ایک اور ضروری امر کی بھی اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ خلفائے عباسیہ نے سلطنت، فاطمہ سلام اللہ علیہا اور علویین کا نام ہی لے کر حاصل کی تھی لیکن جب انہیں پوری طرح اقتدار حاصل ہو گیا تو انہوں نے علویین کا خون بہا کر اسی نام کو سمندر میں غرق کر دیا جس کی تفصیل مقاتل الطالبین سے بخوبی معلوم ہو سکتی ہے۔

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ مورخین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کا ذکر کرتے ہوئے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو بہت حد تک نظر انداز کر دیا ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے عمداً ایسا کیا اور ان کا حقیقی مقصد حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے نام کو گمنامی کے پردے میں چھپانا تھا۔ یہ بات صرف حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ہی سے خاص نہیں۔ سیرت کی کتابوں میں رسول اللہ کی ازواج مطہرات کا ذکر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیوں اور بیٹوں سے زیادہ نہیں۔ اس کی وجہ، جیسا کہ ہم قبل ازیں متعدد بار بیان کر چکے ہیں، یہ ہے کہ ان مولفین کا مقصد اپنی کتابوں کی تالیف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ حالات درج کرنا ہے جن کا تعلق اسلام سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹوں، بیٹیوں اور بیویوں کا براہ راست اسلامی سیاست سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس لیے ان کا ذکر ہمیں کم مقامات پر ملے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مورخین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کے وہی حالات تفصیل سے بیان کیے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد وقوع میں آئے جب مسلمانوں نے ان سے دین اسلام اور حدیث کا علم حاصل کرنا شروع کیا۔ اس لیے ہم مورخین کو مذکورہ بالا بزرگوں کے حالات کے بارے میں غفلت برتنے کی وجہ سے مورد الزام قرار نہیں دے سکتے۔ نہ ہم یہ خیال کر سکتے ہیں کہ اس طرح دین اور تاریخ میں زبردست خلل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خانگی زندگی نہایت

پرسکون ہونے کے باعث کسی تفصیل کی محتاج نہیں۔ صرف اسی ایک لفظ سے آپ ﷺ کی خانگی زندگی کے تمام پہلو روشن ہو کر ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔

یہ درست ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سیرت و سوانح کے متعلق اتنا کچھ لکھا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دیگر بیویوں اور بیٹیوں کے متعلق نہیں لکھا گیا۔ لیکن اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں بعض ایسے واقعات پیش آگئے جن کی بنا پر آپ کی شخصیت کو خاص اہمیت حاصل ہوگئی۔ اس صورت میں اگر آپ ﷺ کی شخصیت اور سیرت کو نظر انداز کر دیا جاتا تو تاریخ اسلام کا پورا باب لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہتا لیکن حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی زندگی میں کوئی ایسا اہم واقعہ پیش نہ آیا۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی ایک سطح پر قائم رہی اور آپ ﷺ نے سارا عرصہ اطمینان وسکون سے گزارا جس کے بارے میں مورخین کو تفصیل و ایضاح اور بحث و تمحیص میں جانے کی قطعاً کوئی ضرورت نہ تھی۔

فاطمہ سلام اللہ علیہا سے رسول اللہ ﷺ کی محبت:

گو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے اس عہد کی جب آپ اپنے والد کے گھر میں پروان چڑھ رہی تھیں، کوئی تفصیل نہیں ملتی پھر بھی واقعات کی شواہد کی بنا پر اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آپ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی الفت و محبت سے کامل طور پر بہرہ ور تھیں آپ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی سب سے چہیتی بیٹی تھیں اور شکل وصورت اور اخلاق و عادات میں آپ ﷺ سے مشابہ تھیں۔ اس محبت کا سبب وہ خدمت تھی جو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا آپ ﷺ کے لیے انجام دیا کرتی تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بوڑھی ہو چکی تھیں۔ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے یہ کمی پوری کر دی تھی۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے رسول اللہ ﷺ کی محبت کا صحیح حال آپ ﷺ کے ان اقوال سے معلوم ہو سکتا ہے جو آپ ﷺ نے وقتاً فوقتاً ان کے

متعلق ارشاد فرمائے۔ چنانچہ آپ ﷺ فرماتے ہیں۔

''اے فاطمہ سلام اللہ علیہا! جس شخص سے تو ناراض ہو گی اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناراض ہو گا اور جس شخص سے تو راضی ہو گی اللہ تعالیٰ بھی اس سے راضی ہو گا۔''

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

''فاطمہ سلام اللہ علیہا مجھ سے ہے۔ جو شخص اسے تکلیف پہنچائے گا وہ مجھے تکلیف پہنچائے گا اور جو شخص اسے راحت پہنچائے گا وہ مجھے راحت پہنچائے گا۔''

''آپ ﷺ کے بارے میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایک قول بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

''میں نے والد فاطمہ سلام اللہ علیہا کے سوا فاطمہ سلام اللہ علیہا سے افضل اور کوئی شخصیت نہیں دیکھی۔''

فاطمہ سلام اللہ علیہا کا نام عربوں کے لیے نامانوس اور نیا نہ تھا۔ ابو طالب کی بیوی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ کا نام بھی فاطمہ سلام اللہ علیہا تھا اور یہ بزرگ خاتون بھی رسول اللہ ﷺ کی مدد کرنے میں اپنے شوہر حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کم نہ تھیں۔ حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کے بعد آپ ہی کی ذات رسول اللہ ﷺ کے لیے باعث تسکین تھی۔ لیکن جب تک رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ میں تشریف فرما رہے انہوں نے اپنی بے نظیر شفقت اور الفت کے باعث ان ایذاؤں کے احساس میں بہت حد تک کمی کر دی جو کفار کے ہاتھوں سے آپ کو پہنچی تھیں۔ جب آپ ﷺ ہجرت کر گئے تو آپ ﷺ کے بعد وہ بھی مدینہ منورہ آ گئیں رسول اللہ ﷺ کو ان کی خدمت اور شفقت و الفت کا اس قدر پاس تھا کہ ان کی وفات کے بعد آپ ﷺ نے اپنے کپڑوں میں انہیں کفن دیا اور خود قبر میں اتر کر انہیں لٹایا۔ یہ دیکھ کر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے پوچھا۔

''یا رسول اللہ ﷺ یہ کیا بات ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے وہ سلوک کیا ہے جو آج تک کسی سے نہیں کیا؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:

"یہ ابو طالب کے بعد میری سب سے زیادہ ہمدم اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے زیادہ مہربان اور شفیق رہی ہیں۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسی ہستی کو جدا کر دیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ رفیق و غمگسار اور مونس و ہمدرد تھی اور جس نے اپنی جان اور مال سب کچھ آپ کے لیے قربان کر دیا۔ فاطمہ سلام اللہ علیہا اس وقت بچی ہی تھیں۔ آپ کو والدہ کے چھوٹ جانے کا رنج جتنا بھی ہوتا کم تھا۔ ان کے رنج و غم میں اس وقت اور بھی اضافہ ہو جاتا تھا جب وہ اپنے والد کو اداسی اور غمگینی کی حالت میں دیکھتی تھیں۔ اس وقت انہیں اس بات کا احساس ہوتا تھا کہ ان پر ایک عظیم مصیبت پڑی ہے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ بچپن کے زمانے کے اس صدمہ عظیمہ ہی کا اثر تھا کہ بعد میں بھی ان کے چہرے پر ہر وقت اداسی چھائی رہتی تھی۔ اس سے مستشرقین یورپ یہ استدلال کرتے ہیں کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا ہر وقت غمگین اور اداس رہتی تھیں اور یہ غمگینی اور اداسی کسی وقت اور کسی لحظہ بھی ان سے دور نہ ہوتی تھی۔ وہ پہلے ہی فطرتاً کمزور جسم کی تھیں۔ اس رنج والم نے ان کی صحت کو اور بھی نقصان پہنچایا۔ صحت کی کمزوری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حد درجہ شفقت ہی کا اثر تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں گھر کے کاموں میں زیادہ حصہ لینے سے منع فرمایا تھا تاکہ محنت اور تھکاوٹ کی وجہ سے صحت زیادہ کمزور نہ ہو جائے۔

لامنس کو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ذکاوت و فطانت سے بھی انکار ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

چونکہ مورخین نے فاطمہ سلام اللہ علیہا کے ذکر میں بہت اجمال سے کام لیا ہے اس لیے لامحالہ ماننا پڑتا ہے کہ وہ ذکاوت و فطانت، دور اندیشی اور حسن بصیرت میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت کم تھیں۔"

لیکن لامنس کی یہ بات سراسر غلط ہے کیونکہ آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حد محبت کا ایک سبب آپ کی ذکاوت و فطانت، علم اور حسن بصیرت بھی تھا۔ رہا یہ سوال کہ اگر وہ ایسی ہی صاحب فہم و ذکاء خاتون تھیں تو مورخین نے اپنی کتابوں

میں ان کا ذکر کیوں نہیں کیا تو جیسا کہ پہلے بھی ہم بارہا کہہ چکے ہیں، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مورخین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں اور بیٹیوں کے متعلق بہت کم اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور صرف اسی جگہ ان کا ذکر کیا ہے جہاں ان کا تعلق براہ راست اسلامی سیاست اور دین اسلام سے تھا۔

فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شادی

فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شادی میں دیر کیوں ہوئی؟:

لامنس کے گوشہ اقتباسات سے بخوبی معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے متعلق اس نے اپنی کتاب میں کیا کیا گوہر افشانیاں کی ہیں۔ اس نے جابجا یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ہم عصر عورتوں میں ان کی کوئی قدر و منزلت نہ تھی، وہ دن رات حزن والم کی حالت میں زندگی بسر کرتی تھیں۔ علاوہ بریں شکل وصورت کی بھی اچھی نہ تھیں اور یہی عیوب ان کی شادی میں تاخیر کا باعث ہوئے گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے حد تعظیم و تکریم کرتے تھے لیکن فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شادی کا پیغام کہیں سے نہ آیا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ "مدت دراز تک کنواری عورتوں کا والدین کے گھر میں بیٹھے رہنا عربوں کے نزدیک معیوب سمجھا جاتا تھا اور جو عورت اس قسم کی ہوتی تھی اس کے متعلق سمجھا جاتا تھا کہ اس میں ضرور کوئی ایسا نقص ہے جس کی وجہ سے اس کا پیغام کہیں سے نہیں آتا۔"

لامنس کی یہ توجیہات اور آرا سراسر گمراہی پر مبنی ہیں اور اس نے واقعات متذکرہ سے جو نتائج اخذ کیے ہیں وہ بالکل غلط ہیں کیونکہ وہ لڑکیاں، جن کی شادیاں دیر میں ہوتی ہیں ان کے متعلق مسلمانوں میں عموماً یہ سمجھا جاتا ہے وہ عقلمندی، ذکاوت وفطانت اور اخلاق وعادات میں اس قدر بڑھی ہوئی ہوں گی کہ والدین کو انہیں اپنے سے جدا کرنا بہت شاق گزرتا ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ لامنس

نے یہ حکم اپنے ان مشرقی عیسائی بھائیوں کے عادات و اطوار کو دیکھ کر لگا دیا جن میں اس نے زندگی گزاری ہے حالانکہ ان کی اور مسلمانوں کی عادتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ سچی بات یہی ہے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شادی میں دیر اس لیے ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کو ان سے بے حد محبت تھی۔ وہ ہر وقت گھر کے کام کاج میں لگی رہتی تھیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ دل سے چاہتے تھے کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا ان سے جدا نہ ہوں اور اپنے والد کے گھر میں اپنی والدہ کی قائمقام بن کر رہیں۔

اسی مناسبت سے لائنس رسول اللہ ﷺ کی غریبی اور تنگ دستی کا ذکر بھی کرتا اور لکھتا ہے ان کی غریبی کا یہ حال تھا کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو جہیز میں کوئی چیز نہ دے سکے جسے وہ اپنے خاوند کے گھر لے جاتیں۔ یہ ذکر کرنے کے بعد وہ پوچھتا ہے کہ اس وقت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دولت کہاں چلی گئی تھی؟ حالانکہ اس مال و دولت کی کوئی حد نہ تھی۔" لیکن وہ فراموش کر گیا کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس اتنی دولت نہ تھی کہ شادی سے کافی مدت بعد تک بھی جوں کی توں باقی رہتی، اس حالت میں کہ انہیں اپنے بچوں اور بچیوں کی پرورش کرنی ہوتی تھی، گھر کا خرچ چلانا ہوتا تھا اور مسکینوں، غریبوں اور محتاجوں پر مال کثیر خرچ کرنا ہوتا تھا۔ اس مال کا ایک بڑا حصہ مسلمانوں کی تکالیف دور کرنے میں بھی خرچ ہو جاتا تھا۔ پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نبوت ملنے کے بعد ہر لمحہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف رہتے تھے اور تجارت کے لیے کوئی وقت نہ نکال سکتے تھے۔ اسی ذکر کی مناسبت سے یہ لکھ دینا بھی ضروری ہے کہ سیرت کے کسی ایک بھی مورخ نے اپنی کتاب میں اس امر کا ذکر نہیں کیا کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا شادی کے بعد تجارت کے کام میں مشغول رہے تھے۔ اس صورت میں لائنس کے اعتراض کا جواب صاف ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کی زوجہ محترمہ اپنی زوجیت کے پچیس سال میں وہی مال خرچ کرتے رہے جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود تھا۔ لیکن یہ مال اتنا زیادہ نہ تھا کہ سالہا سال تک باقی رہتا اور رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری عمر یہی مال خرچ کرتے بسر ہوتی۔

فاطمہ سلام اللہ علیہا کا نکاح:

جیسا کہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دل سے چاہتے تھے کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا ان کے گھر ہی میں رہیں۔ جب ان کی عمر اٹھارہ برس کی ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست کی کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو ان کی زوجیت میں دے دیا جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''ابوبکر رضی اللہ عنہ جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا وہی عمل میں آئے گا۔''

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پیغام دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دے چکے تھے۔ (الیعقوبی جلد ۲، صفحہ ۴۲، انساب الاشراف از بلاذری) اس اثنا میں حضرت علی کرم اللہ وجہ بن ابی طالب بہت غریبی اور افلاس کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ وہ بھی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ فاطمہ سلام اللہ علیہا اور وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ دوسرے لوگوں سے زیادہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی طبیعت، ذکاوت، اخلاق و عادات اور علو مرتبت سے واقف تھے لیکن ڈرتے تھے کہ کہیں آپ انہیں بھی اسی طرح جواب نہ دے دیں جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دے چکے تھے۔ لیکن انہیں ان اسباب کا علم نہ تھا جن کی بنا پر آپ نے ان دونوں کو جواب دیا تھا۔ دراصل آپ یہ چاہتے تھے کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے لیے کوئی ایسا نوجوان تلاش کریں جو ان کے حد درجہ مددگاروں اور اہل بیت میں سے ہو۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فاطمہ سلام اللہ علیہا سے بے حد الفت اور محبت تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ وہ ان سے جدا نہ ہوں بلکہ ہمیشہ نظروں کے سامنے رہیں اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جواب دے دیا تھا۔

اسی اثنا میں بنو ہاشم کے لوگ اور انصار میں سے چند خیر خواہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ وہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے پاس اپنا

پیغام کیوں نہیں دیتے؟ آپؓ نے فرمایا:

''ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ سے انکار کے بعد اب مجھے کیا امید ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری درخواست قبول فرمالیں؟''

خیر خواہوں نے انہیں سمجھایا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی عزیز ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تم سے بے حد محبت کرتے ہیں اور تم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے گھر میں پرورش پائی ہے اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری درخواست رد نہ فرمائیں گے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ دھڑکتے ہوئے دل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کر کے خاموش بیٹھ گئے، کوئی بات نہ کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''علی کرم اللہ وجہہ! کیونکر آنا ہوا؟''

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا۔ ''میں فاطمہ سلام اللہ علیہا کے لیے درخواست کرنے آیا ہوں۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مرحبا واہلا'' (خوش آمدید) اس کے سوا اور کچھ نہ کہا اور بالکل خاموش رہے۔

اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اور زیادہ اضطراب پیدا ہوا اور وہ حیران و پریشان واپس آگئے۔

لوگوں نے پوچھا۔ ''کیا بنا؟''

انہوں نے جواب دیا۔ ''مجھے تو بالکل معلوم نہیں کہ میری درخواست کا کیا نتیجہ ہوا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معاملے کے متعلق بات چیت کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر صرف یہ فرمایا۔ ''مرحبا واہلا''

لوگوں نے کہا۔ ''اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری درخواست قبول فرمالی ہے تمہیں کسی فکر کی ضرورت نہیں۔''

علی کرم اللہ وجہہ بن ابی طالب:

کتب سیرت میں نبوت سے قبل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زندگی کے بہت

کم واقعات ملتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ہم ان کے متعلق جو جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پرورش پائی اور ان کے اخلاق میں بالکل رنگے گئے آپ کی ساری زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کے سامنے گزری۔ وہ بچپن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچوں کے ساتھ ہی کھیلا کرتے تھے۔

لائنس کو اس امر پر بے حد تعجب ہوا ہے کہ ابو طالب نے جیتے جی اپنے لڑکے کو اپنے بھتیجے کے سپرد کس طرح کر دیا کہ وہ اس کی پرورش کرے اور نگہداشت رکھے لیکن وہ یہ بھول گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ابو طالب کے گھر میں پرورش پائی تھی اور ابو طالب نے باوجود سخت تنگی اور غریبی کے اپنے بیٹوں سے بڑھ کر ان کی پرورش کی اور ان کی ہر طرح کی ضروریات کا خیال رکھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مالی حالت کچھ اچھی ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا فرض سمجھا کہ ابو طالب کا بوجھ ہلکا کیا جائے اور ان کے ایک بیٹے کو لے کر خود پرورش کیا جائے۔ سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے چچا سے لے کر پرورش کرنا شروع کیا اور اس طرح اپنے چچا کے احسانات اور شفقت و محبت کا کچھ بدلا اتارنا چاہا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شجاعت اور جرأت و ہمت سے لائنس کو انکار نہیں لیکن وہ اپنی عادت کے مطابق یہ پوچھتا ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ کو جنگی تربیت اور جرأت و بہادری کس طرح حاصل ہوئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی گھریلو زندگی بسر کی جہاں دوڑنے بھاگنے جنگ و جدل میں شریک ہونے اور دشمنوں کے مقابلے میں آنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ مگر وہ یہ امر نظر انداز کر گیا کہ جرأت و شجاعت ان صفات میں سے ہیں جو انسان کے اندر فطرتاً ودیعت ہوتی ہیں ان کے لیے درس و تدریس اور مشق و مزاولت کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔ ان باتوں کے باوجود یہ امر بعید نہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے چچاؤں اور چچیرے بھائیوں کے ساتھ بچپن کے زمانے میں دوڑنے بھاگنے اور گھوڑے کی

سواری میں حصہ لیتے ہوں۔ خصوصاً جب یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اس زمانے میں آپ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک گھوڑا تھا جس پر سوار ہو کر آپ رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ کی وادیوں اور گھاٹیوں کا چکر لگایا کرتے تھے۔ اسی چیز سے آپ رضی اللہ عنہ میں یہ قوت و طاقت، بہادری اور جرأت، شجاعت اور دلیری کی صفات پیدا ہو گئیں جن کا اظہار زمانہ اسلام کی جنگوں میں پورے طور پر ہوا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اپنے والد کی طرح غریب اور مفلس تھے۔ ان کی آمدنی کا کوئی خاص ذریعہ نہ تھا۔ اس زمانے میں عموماً قریش تجارت میں مشغول رہتے تھے۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس سے بھی محروم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو جنگ بدر تک شادی کرنے کا خیال نہ آیا۔ اس جنگ میں آپ رضی اللہ عنہ کو کچھ مال ملا جس کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کی حالت قدرے بہتر ہو گئی۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر فاطمہ سلام اللہ علیہا سے شادی کی درخواست کی۔ کوئی تعجب نہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس جنگ سے پہلے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کی درخواست کی ہو (چنانچہ مورخین کا یہی خیال ہے) اور انتظار کرتے رہے ہوں، کب ان کی مالی حالت درست ہو اور وہ اپنے گھر کو اس قابل بنا سکیں کہ وہ ایک دلہن کے شایان شان ہو سکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت تھی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی بیٹی کی شادی کرنا چاہتے تو اس کے پاس تشریف لے جاتے اور اونچی آواز سے فرماتے۔

"فلاں نے تمہیں پیغام دیا ہے۔"

اگر لڑکی بدستور خاموش رہتی اور اپنی زبان سے کوئی لفظ نہ نکالتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ لیتے کہ لڑکی راضی ہے، لیکن اگر وہ دروازہ کھٹکھٹاتی تو اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے انکار پر محمول کرتے اور خیال کر لیتے کہ لڑکی کی مرضی اس جگہ شادی کرنے کی نہیں ہے۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی مرضی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح معلوم کرنی چاہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پیغام کا ذکر کیا۔ وہ بالکل خاموش رہیں اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھ لیا کہ وہ

راضی ہیں۔

لیکن لامنس نے تمام مورخین کے متفقہ قول کے بالکل برعکس یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کا سکوت دراصل حیرت واستعجاب کے مترادف تھا اور اس سے یہ سمجھنا درست نہیں کہ وہ علی کرم اللہ وجہہ سے نکاح پر راضی تھیں۔ وہ لکھتا ہے:

''اصل بات یہ تھی، فاطمہ سلام اللہ علیہا یہ خیال کرتی تھیں کہ اتنی مدت گزر جانے کے بعد اب کون شخص ان سے نکاح کی درخواست کر سکتا ہے؟ چنانچہ وہ اپنی شادی سے بالکل مایوس ہو چکی تھیں۔

لیکن آگے چل کر خود ہی ایک ایسی روایت درج کرتا ہے جو اس پہلی بات کے بالکل برعکس ہے اور وہ یہ کہ:

''جونہی انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان سے علی کرم اللہ وجہہ کا ذکر سنا وہ چیخ اٹھیں اور ان کے ساتھ شادی کرنے سے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ میری شادی ایک فقیر اور غریب آدمی سے کرنا چاہتے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ رو پڑیں۔ رسول اللہ ﷺ انہیں تسلی دیتے رہے اور علی کرم اللہ وجہہ کی صفات حمیدہ کا ذکر کرتے رہے۔ آخر آپ ﷺ نے یہ فرمایا ''علی کرم اللہ وجہہ دنیا میں مومنوں کے سردار ہیں اور آخرت میں بھی وہ مومنوں کے سردار ہی ہوں گے۔ وہ میرے تمام صحابہ میں علم وفضل اور حلم میں بڑھے ہوئے ہیں۔ اسلام قبول کرنے میں بھی سب سے پہلا نمبر انہیں کا ہے۔''

ہم نہیں سمجھ سکتے کہ لامنس اور اسی طرح بعض مستشرقین نے بلاذری کی یہ ہدایت درج کرنے میں کیا مصلحت سمجھی ہے حالانکہ دیگر تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شادی خوش اسلوبی اور حسن وخوبی سے انجام پائی اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی طرف سے کسی بھی موقع پر اظہار ناپسندیدگی نہ ہوا۔ بلاذری نے یہ روایت یقیناً ان لوگوں سے لی ہے جن کا مقصد اس قسم کی بے سروپا روائت بیان کرنے سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان کو گھٹا کر پیش کرنا ہے۔

اگر عقل کی روشنی میں بھی اس روایت کو دیکھا جائے تو اس کے بے بنیاد ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی غریبی اور فقر و فاقہ پر اعتراض کرتیں جب خود رسول اللہ ﷺ فقر و فاقہ کی زندگی گزار رہے تھے۔ مورخین اس امر پر متفق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے خاندان کو بالعموم پیٹ بھر کر کھانے کو نہ ملتا تھا۔ یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں کیونکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دولت ہجرت سے پہلے ہی ختم ہو چکی تھی۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا دونوں غریبوں، مفلسوں اور کمزوروں کی مدد کے لیے دل کھول کر خرچ کیا کرتے تھے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس قارون کا خزانہ تو تھا نہیں جو مدت دراز تک باقی رہتا۔ فاطمہ سلام اللہ علیہا خود بھی اپنے والد کی غریبی سے واقف تھیں اور بخوبی جانتی تھیں ہمیشہ سے رسول اللہ ﷺ کی یہ خواہش رہی تھی کہ آپ ﷺ کے پاس اتنا مال ہوتا جسے آپ ﷺ محتاجوں اور غریبوں پر خرچ کر سکتے۔

اس صورت حال کی موجودگی میں ہم یہ روایت کیونکر قبول کر سکتے ہیں جب حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو معلوم تھا کہ علی کرم اللہ وجہہ بھی انہیں کی طرح غریب ہیں۔ پھر وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مناقب، ان کے علم و فضل، ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی غایت درجہ محبت سے خوب واقف تھیں اور انہیں پتا تھا کہ انکار کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کو خوشی نہ ہو گی۔

رسول اللہ ﷺ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پیغام دینے سے کچھ دن بعد رسول اللہ ﷺ نے انہیں بلایا، جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"کیا تمہارے پاس بیوی کو دینے کے لیے کچھ ہے؟"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا "رسول اللہ ﷺ میرے پاس سوا ایک گھوڑے اور ایک زرہ کے جو مجھے بدر کی غنیمت سے حاصل ہوئی تھی، اور کچھ نہیں۔"

آپ نے فرمایا: ''زرہ بیچ دو اور جو قیمت حاصل ہو اس سے دلہن کا سامان تیار کرو۔''

چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ زرہ لے کر بازار گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کے ہاتھ چار سو ستر درہم میں بیچ دی۔ یہ رقم چادر میں باندھ کر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ زرہ کی قیمت ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ درہم ہاتھ میں لیے اور انہیں بلال رضی اللہ عنہ کو دے کر فرمایا کہ بازار جاؤ اور خوشبوئیں اور عطر خرید لاؤ۔ باقی رقم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دے دی کہ وہ اس سے شادی کا سامان تیار کریں۔

شادی:

جب سارا سامان تیار ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع فرمایا اور ان کے سامنے مندرجہ ذیل خطبہ نکاح پڑھا۔

''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جو اپنی نعمتوں کی وجہ سے تعریف کے قابل ہے اور اپنی قدرتوں کی وجہ سے عبادت کے لائق ہے۔ اس کا اقتدار ہر جگہ قائم ہے۔ اس کا حکم زمین و آسمان میں نافذ ہے۔ اس نے مخلوق کو اپنی قدرت سے بنایا۔ اپنے احکام کے ذریعے سے انہیں آپس میں علیحدہ علیحدہ کیا، انہیں اپنے دین کے ذریعے سے عزت بخشی اور اپنے نبی کے ذریعے سے سربلند کیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے شادی بیاہ کو ایک لازم امر قرار دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ رھو الذی خلق من السماء بشرا فجعلہ نسبا و صھراً و کان ربک قدیرا۔ (وہی ذات پاک ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا اور بعض کو بعض کا بیٹا، بیٹی اور داماد بنایا اور تیرا رب ہر چیز پر قادر ہے) اللہ تعالیٰ نے قضا و قدر کو کام کرنے کا حکم دیا ہے قضا و قدر کا ایک وقت مقرر ہے اور ہر چیز اپنے وقت پر ہی پوری ہوتی ہے۔

"میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے فاطمہ سلام اللہ علیہا کا نکاح علیؑ سے چار سو مثقال سونے کے عوض کر دیا ہے۔"

خطبے سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ نے دعا مانگی کہ اللہ تعالیٰ جانبین کے اس نئے رشتے کو ان کے لیے اور ان کی ہونے والی اولاد کے لیے مبارک بنائے۔ دعا کے بعد آپؐ نے کھجوریں لانے کا حکم دیا اور انہیں حاضرین کے سامنے رکھ کر فرمایا۔ "کھاؤ۔"

اس طرح محفل نکاح ختم ہوئی اور حاضرین اس نئے جوڑے کے لیے سعادت، برکت اور پاک اولاد کی دعا مانگتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ام ایمن کو بلایا اور فرمایا کہ وہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو اپنے ہمراہ علی کرم اللہ وجہہ کے گھر لے جائیں اور ان سے کہہ دیں کہ میں بھی ابھی آتا ہوں۔

چنانچہ ام ایمن حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گھر لے گئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس دوران میں عشاء کی نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گھر تشریف لے گئے، آپ ﷺ کے دست مبارک میں ایک مشک تھی۔ گھر پہنچ کر آپ ﷺ نے قرآن کریم کی آیات تلاوت کیں اور فاطمہ سلام اللہ علیہا کے لیے دعا کی۔ اس کے بعد زوجین کو وضو کرنے اور اسی برتن سے پانی پینے کا حکم دیا اور تھوڑا سا پانی لے کر دونوں پر چھڑکا جب آپ ﷺ نے واپسی کا ارادہ کیا تو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا رونے لگیں۔ آپ ﷺ نے انہیں دلاسہ دیا اور فرمایا۔

"اے میری بیٹی! میں نے تجھے ایسے شخص کے پاس امانت چھوڑا ہے جو دوسرے انسانوں سے ایمان میں زیادہ قوی ہے، جس کا علم دوسروں سے زیادہ ہے۔ اور جو اپنے اخلاق وعادات کے لحاظ سے ممتاز حیثیت کا حامل ہے۔"

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا رونا صرف رسول اللہ ﷺ سے جدائی اور اپنا گھر چھوڑنے کی وجہ سے تھا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نفرت اور ناراضی کی وجہ سے نہ تھا۔

شادی کی تاریخ کے متعلق مورخین کا اتفاق ہے کہ وہ جنگ بدر کے بعد ہوئی۔ اس وقت حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اپنی عمر کے اٹھارہویں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ پچیسویں سال میں تھے۔

چنانچہ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب المعارف میں علی ؓ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کی ناک چپٹی اور بازو پتلے تھے۔ اسی طرح ایک عورت نے پہلی بار علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھ کر یہ کہا تھا:

"یہ شخص تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے لکڑی کے ٹوٹنے کے بعد اسے جوڑا گیا ہو۔"

حقیقتاً یہ فقرہ کسی عورت نے نہیں بلکہ منذر بن جارود نے اس وقت کہا تھا جب وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر کو کوفہ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اس لشکر کے داخلے کی کیفیت بیان کرتا ہوا وہ کہتا ہے۔

"اس کے بعد فوج کے دستے اور جھنڈے آنے شروع ہو گئے نیزے ہلاتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ پھر ایک ایسا دستہ آیا جس میں بے شمار آدمی تھے۔ وہ سب کے سب زرہیں پہنے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھوں میں ہتھیار چمک رہے تھے اس دستے میں متعدد علم تھے اور اس کے آگے آگے ایک ایسا شخص جا رہا تھا جو اس لکڑی کی مانند تھا جسے ٹوٹنے کے بعد دوبارہ جوڑا گیا ہو۔"

ابن عائشہ ؓ کہتا ہے کہ یہ محاورہ ایسے شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو مضبوط بازو کا مالک ہو اور اس کی نظر سامنے سے زیادہ نیچے زمین پر جمی رہے۔ جب عربوں کے نزدیک "کسر وجبر" کی یہ تعریف ہے تو کون عقل مند یہ کہہ سکتا ہے کہ جس شخص کے متعلق یہ محاورہ استعمال کیا جائے وہ کمزور اور دلکشی سے خالی ہوگا۔

فاطمہ سلام اللہ علیہا اپنے گھر میں

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شادی نہایت کامیابی سے بخیر و خوبی انجام پائی۔ نہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس لڑکی کے لیے اپنا پیغام دے سکتے تھے جو آپ ﷺ کو ناپسند ہوتی اور نہ رسول اللہ ﷺ اپنی لڑکی کا

نکاح اس شخص سے کر سکتے تھے جسے آپ ﷺ کی لڑکی ناپسند کرتی۔ اگر لائنس کو اس بات سے انکار ہے تو صرف اس وجہ سے کہ اس کا مقصد وحید رسول اللہ ﷺ آپ کے اہل بیتؑ اور محبوب صحابہ کرامؓ کو بدنام کرنا ہے۔

لائنس کہتا ہے کہ یہ شادی کامیاب نہ تھی کیونکہ فریقین میں سے کوئی دل سے دوسرے کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھا، شادی زور ڈال کر زبردستی کرادی گئی تھی۔

اگرچہ اس کا یہ قول مورخین کے اقوال اور روایات کے قطعاً خلاف ہے پھر بھی ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس نے اپنے دعوئ کی بنیاد کن امور پر رکھی ہے۔ اس ذیل میں پہلی دلیل وہ یہ دیتا ہے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شادی بیس برس کی عمر میں ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ بیس برس کی عمر تک کسی لڑکی کا بیٹھے رہنا یہ سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ اسے کسی بھی شخص نے قبول نہ کیا ہوگا۔ لیکن اس قول کا غلط ہونا ہم ثابت کر چکے ہیں تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شادی اٹھارہ سال کی عمر میں ہوئی اور شادی میں دیر محض اس لیے ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کو ان سے بے حد محبت تھی اور وہ انہیں اپنے سے علیحدہ نہ کرنا چاہتے تھے۔

اس کے بعد لائنس لکھتا ہے:

"یہ ناممکن تھا کہ جو شادی اس طرح ہوئی وہ کامیاب رہتی۔ یہی وجہ تھی کہ کچھ ہی عرصہ بعد فریقین میں جھگڑے اور مناقشات شروع ہو گئے اور مستقل شکر رنجی نے گھر میں جگہ بنالی۔"

اس دعوئ کی دلیل میں وہ یہ امر پیش کرتا ہے۔ "فریقین کی ناراضی کا یہ عالم تھا کہ گھر میں کسی چارپائی تک کا انتظام نہ کیا گیا تھا۔ حالانکہ چارپائی ایک ضروری چیز تھی۔ (منتخب الکنوز جلد ۵، صفحہ ۵۶)

یہ ایسی احمقانہ دلیل ہے کہ لائنس کے سوا اور کسی مستشرق نے اسے پیش کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔

اس کے بعد وہ ناراضی کے ثبوت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فقر و فاقہ کو پیش کرتا ہے اور لکھتا ہے:

"گو علی کرم اللہ وجہہ اس زمانے میں انتہائی غریبی کی حالت میں زندگی بسر کر رہے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کی غریبانہ زندگی کو ختم کرنے یا اس میں کمی کرنے کی کوئی کوشش نہ کی۔"

نہ معلوم لائنس نے یہ کس طرح سمجھ لیا کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی غریبانہ زندگی کو ختم کرنے میں کوئی مدد کر سکتے تھے جب ہر شخص کو علم ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے زیادہ غریبی کی حالت میں زندگی بسر کر رہے تھے لیکن لائنس تاریخی حقائق کو کلیتہً مسخ کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا اور بڑی ڈھٹائی سے یہ لکھتا ہے:

اس وقت جب علی کرم اللہ وجہہ اور فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گھر میں فقر و فاقہ نے ڈیرے ڈال رکھے تھے، رسول اللہ ﷺ اپنی نواسی امامہ رضی اللہ عنہا (یا ہالہ رضی اللہ عنہا) کو زیورات سے لاد رہے تھے۔"

آیئے ہم کتب سیر و حدیث میں ان زیورات کی تلاش کریں جن سے رسول اللہ ﷺ نے امامہ رضی اللہ عنہا، بنت زینب رضی اللہ عنہا کو لادا تھا۔ اس کے متعلق ہم بخاری میں ابن سعد رضی اللہ عنہ کی ایک روایت درج پاتے ہیں۔

"رسول اللہ ﷺ اپنے اہل و عیال کے پاس تشریف لائے، اس وقت آپ ﷺ کے ہاتھ میں سنگ سلیمان کا ایک ہار تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ہار میں اسے دوں گا جو مجھے تم میں سب سے زیادہ محبوب ہو گی۔ سب نے خیال کیا کہ آپ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) کو یہ ہار دیں گے لیکن آپ ﷺ نے ابو العاص رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہالہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور اس کے گلے میں یہ ہار پہنایا۔

یہ ہے وہ روایت جس کے گرد لائنس نے اپنے بے اصل نظریات کا تانا بانا بنا ہے۔ سنگ سلیمانی کا ایک ہار جس کی قیمت چند درہم سے زیادہ نہ ہو گی۔ اسے بھی آپ ﷺ کسی بڑی بیٹی کو نہیں بلکہ کم سن نواسی کو پہناتے ہیں لیکن لائنس اس سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا فقر و فاقہ کی حالت میں زندگی گزار رہی

تھیں اور زینب بنتِ نبی ﷺ کی بیٹی کو زیورات سے لادا جا رہا تھا ؏

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

جہاں تک لائنس کے اس دعوے کا تعلق ہے کہ دونوں میاں بیوی میں بسا اوقات جھگڑا ہو جاتا تھا، اگر یہ صحیح بھی ہو تو دنیا میں کوئی شخص ایسا ہے جس کا جھگڑا اپنی بیوی سے کبھی نہ ہوا ہو۔ خود رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کی بیویوں کے درمیان کبھی شکر رنجی پیدا نہ ہوئی۔ باہمی اختلاف سے کسی کو بھی مفر نہیں لیکن اختلاف کا مطلب یہ نہیں کہ میاں بیوی ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگیں بلکہ بعض اوقات تو یہ شکر رنجی میاں بیوی کی باہمی الفت اور محبت پر دلالت کرتی ہے۔

مدینہ منورہ کی زندگی مہاجرین کے لیے سخت تکلیف دہ تھی۔ وہاں کی آب و ہوا بہت خراب تھی اور اکثر و بیشتر مہاجرین بخار اور دیگر امراض میں مبتلا رہتے تھے جس سے ان کی صحت بے حد گر گئی تھی حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کو دعا کرنی پڑی کہ "اے اللہ تعالیٰ! مدینہ منورہ کو ہر قسم کی بیماریوں سے پاک کر دے اور اسے یہاں کے رہنے والوں کے لیے سلامتی اور امن کی جگہ بنا۔"

تکالیف، مصائب اور بیماریوں کی اس بوجھل فضا میں فاطمہ سلام اللہ علیہا اس امید سے اپنے نئے گھر میں منتقل ہوئیں کہ وہ وہاں اطمینان، راحت و آرام اور خوش بختی کی فضا پیدا کریں گی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی دل میں اسی قسم کے جذبات لیے ہوئے تھے جس قسم کے جذبات حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے دل میں تھے اور آپ کے ان جذبات کو بروئے کار لانے اور خانگی زندگی کو مسرت اور راحت میں بدلنے کی ہر امکانی کوشش کی۔ ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی خانگی زندگی کا پورا پورا نقشہ تھا کہ کس طرح رسول اللہ ﷺ اپنے گھر والوں سے محبت کا سلوک کیا کرتے تھے، کس طرح شکر رنجیوں سے پرہیز کرتے تھے۔ چنانچہ اس بارے میں آپ کا مقولہ یہ تھا، خیر کم خیر کم لاھلہ وانا خیر کم لاھلی (تم میں بہتر شخص وہ ہے جو اپنے اہل و عیال سے بہترین سلوک کرتا ہے اور میں

اپنے اہل وعیال کے ساتھ تم سب سے بہتر سلوک کرتا ہوں) حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی پوری طرح رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چلے اور ازدواجی زندگی کو مسرت وشادمانی سے ہم کنار کرنے میں پوری طرح کامیاب ہوئے۔

رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں:

اس مقام پر ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خانگی زندگی کا مختصر سا حال درج کر دیا جائے تا کہ اس سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گھریلو زندگی کا اندازہ کرنے میں مدد مل سکے۔

رسول اللہ ﷺ عورتوں پر نہایت مہربان تھے اور ان کے ساتھ بے حد شفقت سے پیش آتے تھے۔ ایک مرتبہ کچھ عورتیں آپ کے پاس بیعت کے لیے آئیں بیعت اس بات پر تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری کریں گی اور جن باتوں سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے ان سے باز رہیں گی۔ بیعت کے الفاظ پڑھواتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اس کے ساتھ یہ بھی کہو کہ جہاں تک ہماری طاقت اور برداشت کام دے گی۔"

یہ سن کر عورتوں نے کہا:

"اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اللہ ﷺ، ہم پر ہم سے بھی زیادہ مہربان ہیں۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ؟ جب گھر میں تشریف فرما ہوتے تھے تو کیا کرتے تھے؟" انہوں نے جواب دیا:

"آپ گھر والوں کا کام کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ نماز کا وقت آجاتا تھا اور آپ ﷺ مسجد میں تشریف لے جاتے تھے۔"

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا میں اتنی قوت وطاقت نہ تھی کہ وہ تنہا گھر کا سارا کام انجام دے سکتیں، خصوصاً اس صورت میں کہ آپ کے پاس کوئی خادم یا خادمہ نہ تھی اور نہ ان دونوں میاں بیوی کی مالی حالت ہی ایسی تھی کہ وہ کوئی خادم رکھ سکتے۔ فتح مکہ معظمہ کے بعد ان کی مالی حالت سدھری جب حضرت علی کرم اللہ

وجہ کو ابتدائی غزوات میں مال غنیمت سے خاصا حصہ ملا۔

شاید غریبی ہی نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو اس قابل نہ رکھا تھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خود دودھ پلا سکیں۔ اسی وجہ سے انہیں بنو کنانہ کی ایک عورت کو ملازم رکھنا پڑا۔ (''کتاب الاغانی میں لکھا ہے۔ کہ حضرت عباسؓ کی بیوی لبانہ نے حضرت حسینؓ کو دودھ پلایا تھا۔'' الاغانی جلد ۷ صفحہ ۱۲)

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو حقیقی خوشی ان کے پہلے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت کے وقت نصیب ہوئی۔ ان کی ولادت پر وہ خوشی کے مارے پھولی نہ سماتی تھیں۔ انہوں نے بچے کی پیدائش کی خوشی میں بعض تقریبات اور قربانیاں کرنی چاہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی تقریب کرنے کی ضرورت نہیں، صرف یہ کام کرو کہ بچے کے بال منڈوا دو اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی لے کر فقراء اور مساکین کو دے دو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے دوسرے بچے حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ان کے بھی بال منڈوا دیئے گئے اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی فقراء اور مساکین کو دے دی گئی۔

فاطمہ سلام اللہ علیہا میدان جنگ میں:

یہ سمجھنا غلط ہے کہ اسلام نے عورت کو گھر کی چار دیواری کے اندر قید کر کے اس کے احساسات و جذبات کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ یہ درست ہے کہ اسلام نے مرد اور عورت کا علیحدہ علیحدہ مقام متعین کیا ہے۔ مرد کا کام گھر سے باہر نکل کر محنت مزدوری یا کوئی کام کر کے اپنے اہل و عیال کا پیٹ پالنا ہے اور عورت کا کام گھر میں رہ کر بچوں کی تربیت کرنا اور گھریلو کاموں میں وقت صرف کرنا ہے لیکن ہنگامی حالاتِ کے پیش آ جانے پر عورتوں کو بھی گھروں سے نکل کر مردوں کے دوش بدوش کام کرنے کی اجازت ہے۔ یہی وجہ تھی کہ صدر اسلام میں جنگوں کے موقعوں پر تلواروں کے سائے میں عورتیں مردوں کے ساتھ ساتھ ان کا ہاتھ بٹاتی تھیں،

سپاہیوں کو پانی پلاتی تھیں زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور مردوں کو لڑائی کے لیے جوش دلا کر انہیں پیچھے ہٹنے سے باز رکھتی تھیں۔

کتب سیر اور تاریخ کے صفحات اس بات کے شاہد ہیں کہ مسلمان عورتیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میدان جنگ میں جا کر مجاہدین کا دل بڑھاتی تھیں۔ مریضوں کی بیمار پرسی اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور سپاہیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ چنانچہ واقدی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ جنگ احد میں حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اپنے شوہر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مدد سے مسلمانوں کے زخموں کی مرہم پٹی میں مشغول تھیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس جنگ سے واپسی پر مدینہ منورہ میں انہوں نے خود رسول اللہ ﷺ کے زخموں کی مرہم پٹی کی۔ (الواقدی، صفحہ ۲۳۵)

لائنس اس واقعے سے انکار کرتا ہے کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا احد کے معرکے میں موجود نہ تھیں کیونکہ ابن ہشام اور طبری نے اس قسم کا کوئی واقعہ اپنی کتابوں میں درج نہیں کیا لیکن عدم ذکر سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ واقعہ ظہور پذیر ہی نہیں ہوا خصوصاً اس صورت میں کہ تاریخ سے ثابت ہے کہ بے شمار عورتیں لشکر کے ساتھ میدان جنگ میں جایا کرتی تھیں اور مردوں کے دوش بدوش لڑائی میں حصہ لیا کرتی تھیں حالانکہ ان میں سے اکثر کے نام کتب تاریخ و سیرت میں موجود نہیں۔

فاطمہ سلام اللہ علیہا کی اولاد:

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو اللہ تعالیٰ نے ان کے شوہر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پانچ اولادیں عطا فرمائیں تین لڑکے حسن رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ اور محسن رضی اللہ عنہ اور دو لڑکیاں زینب رضی اللہ عنہا کبریٰ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کبریٰ۔ حسن رضی اللہ عنہ ۳ ھ میں پیدا ہوئے اور حسین رضی اللہ عنہ ۵ شعبان ۴ ھ کو۔

جب رسول اللہ ﷺ نے ولادت حسن رضی اللہ عنہ کی خبر سنی تو آپ ﷺ فوراً حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گھر پہنچے۔ نومولود کو اپنے ہاتھوں میں اٹھایا اور اس کے کان میں اذان دی۔ اس کے بعد اسے اپنا لعاب دہن چٹایا۔ اس چیز کو عرب لوگ

"تحنیک" کہتے تھے۔ (صحیح البخاری، مسند احمد بن حنبل، بلاذری)

حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنا لعاب دہن نہ چٹایا کیونکہ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذرا دیر میں پہنچے تھے اور فاطمہ سلام اللہ علیہا انہیں دودھ پلا چکی تھیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہا کرتے تھے۔ "میرے بچوں میں حسین رضی اللہ عنہ مجھ سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔" (منتخب الکنوز، بلاذری)

تیسرے بچے محسن رضی اللہ عنہ کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس نام کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا کوئی بچہ نہ تھا لیکن مسعودی اور یعقوبی محسن رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہیں۔ مولف کتاب "الاسناد فی معرفة حجج اللہ علی العباد" لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو شدت رنج والم کی وجہ سے اسقاط حمل ہو گیا تھا۔

حسن رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے موقع پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کا نام حرب رکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اپنے بیٹے کو مجھے دکھاؤ۔ تم نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا۔ "میں نے اس کا نام حرب رکھا ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں اس کا نام حسن رضی اللہ عنہ رکھو۔"

حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کا بھی نام حرب رکھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بدل کر حسین رضی اللہ عنہ رکھ دیا۔ (مسند احمد بن حنبل)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حسین رضی اللہ عنہ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں یہ دونوں بہت کم سن تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عمر ۸ سال اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عمر ۶ سال ۷ مہینے تھی۔

(منہاج السنۃ النبویہ)

عبداللہ بن شداد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب یا عشاء کی نماز کے لیے باہر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حسن رضی اللہ عنہ یا حسین رضی اللہ عنہ کو اٹھائے ہوئے تھے۔ مسجد میں تشریف لا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے انہیں زمین پر بٹھا دیا اور خود نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ جب سجدے میں گئے تو خاصی دیر تک سر نہ اٹھایا۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بچہ رسول اللہ ﷺ کی پیٹھ پر چڑھا ہوا ہے اور آپ ﷺ سجدے میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر میں پھر سجدے میں چلا گیا۔ جب نماز ختم ہوئی تو لوگوں نے پوچھا:

"یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ نے نماز میں ایک سجدہ بے حد طویل کر دیا۔ کیا اس دوران میں کوئی واقعہ ہو گیا یا آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی رہی۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"ان دونوں میں سے کوئی بھی بات نہیں ہوئی۔ صرف یہ ہوا کہ میرا بیٹا میری پیٹھ پر سوار ہو گیا تھا۔ مجھے یہ بات اچھی نہ لگی کہ میں اسے اس کا کھیل ختم ہونے سے پہلے اتار دوں۔" (تیر الوصول الی جامع الاصول جلد ۳، صفحہ ۸۵)

نور الدین علی بن محمد المعروف بہ ابن صباغ "فصول المہمہ" میں زیاد بن ابیہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے نکلے۔ جب آپ ﷺ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گھر کے سامنے سے گزر رہے تھے تو آپ ﷺ نے حسین رضی اللہ عنہ کو روتے سنا۔ آپ ﷺ نے گھر میں داخل ہو کر اپنی بیٹی سے فرمایا:

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اس کے رونے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔"

براء بن عارف کہتے ہیں:

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ حسین رضی اللہ عنہ کو کندھے پر اٹھائے ہوئے تھے اور فرما رہے تھے "اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت کر"

ترمذی نے مناقب حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ میں اور بغوی نے اپنی کتاب، مصابیح السنۃ کے باب مناقب اہل البیت صلوۃ اللہ علیہم میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ روایت بیان کی ہے:

"میں نے کسی ضرورت سے رسول اللہ ﷺ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

آپ ﷺ کوئی چیز چادر میں لپیٹے ہوئے باہر تشریف لائے۔ جب میں اپنی ضرورت بیان کر چکا تو آپ ﷺ سے دریافت کیا:

''یا رسول اللہ ﷺ! یہ آپ ﷺ کیا لپیٹے ہوئے ہیں۔''

آپ ﷺ نے کپڑا اٹھایا تو اس میں سے حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ ظاہر ہوئے جو آپ ﷺ کی گود میں چڑھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''یہ دونوں میرے بیٹے اور میری بیٹی کے لخت جگر ہیں۔ اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، تو بھی ان دونوں سے اور ہر اس شخص سے جو ان سے محبت کرتا ہے، محبت فرما۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے فرمایا: ''میرے بیٹوں کو میرے سامنے لاؤ۔'' جب وہ دونوں آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے انہیں سینے سے چمٹا لیا۔

رسول اللہ ﷺ ایک دن خطبہ دے رہے تھے کہ حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ بھی مسجد میں آ گئے۔ وہ دونوں سرخ قمیص پہنے ہوئے تھے اور صغر سنی کی وجہ سے چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے تھے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ منبر سے اترے۔ ان دونوں کو اٹھایا اور اپنے سامنے بٹھا لیا۔ پھر فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے۔ ''انما اموالکم واولادکم فتنۃ'' (تمہارے اموال اور اولادیں تمہارے لیے آزمائش ہیں) میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا کہ چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے ہیں یہ دیکھ کر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور میں خطبہ چھوڑ کر انہیں اٹھا لایا۔''

ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں۔

''رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ حسین رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے آئے اور آپ ﷺ کی پیٹھ پر سوار ہو گئے۔ جب آپ ﷺ سجدے سے اٹھے تو انہیں گود میں اٹھا لیا۔ جب رکوع کیا تو زمین پر بٹھا دیا۔''

ابو لیلیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

"میں نے حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر سوار دیکھا تو کہا "تمہیں سواری کے لیے کیسا اچھا گھوڑا مل گیا ہے۔"

ابو عمر بن البر القرطبی "الاستیعاب" میں حضرت ابو ہریرہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

"میری ان دو آنکھوں نے دیکھا ہے اور ان دو کانوں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسین رضی اللہ عنہ کے دونوں کندھے پکڑے ہوئے تھے۔ ان کے پاؤں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں پر تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے "ترق ترق عین بقہ" (اے ننھے منے اٹھ) یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کو اپنے ہاتھوں میں اٹھایا۔ یہاں تک کہ اس کے پاؤں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے پر لگنے لگے۔ آپؐ نے اس سے کہا "منہ کھولو!" بچے نے منہ کھول دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پیار کیا اور فرمایا: "اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔" (تاریخ کبیر جلد ۴، صفحہ ۳۲۳)

علی بن الحسن بن عساکر تاریخ کبیر میں لکھتے ہیں:

"طبرانی نے جعفر بن محمد سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر سے بیعت لی حالانکہ وہ دونوں اس وقت بچے تھے اور بلوغت کو نہ پہنچے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوا اور کسی بچے سے بیعت نہ لی۔"

ابن ماجہ نے "سنن" میں ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں اور ابو الحسن علی ابن فخر الدین الاربلی نے کشف الغمہ میں یعلی بن مرہ العامری سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دعوت میں شریک ہونے کے لیے گھر سے نکلے۔ حسین رضی اللہ عنہ گلی میں بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر ہاتھ پھیلائے۔ بچے نے اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر بھاگنا شروع کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسے ہنسا رہے تھے۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پکڑ لیا اور ان کا ہاتھ اپنی گدی کے نیچے اور دوسرا ٹھوڑی کے نیچے رکھ لیا اور فرمایا۔

"حسین رضی اللہ عنہ مجھ سے ہے اور میں حسین رضی اللہ عنہ سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس شخص

سے محبت کرے جس نے حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کی۔"

سلیمان الحسین البلخی ینابیع المودۃ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنی زبان اپنے منہ سے باہر نکالتے تھے۔ بچہ جب سرخ زبان دیکھتا تو اسے ہاتھ میں لینے کے لیے لپکتا۔ یہ دیکھ کر عینیہ بن بدر نے کہا، حسین رضی اللہ عنہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کھیل رہا ہے اور آپ اس سے کھیل رہے ہیں۔ میرا بھی ایک بچہ ہے لیکن میں نے اسے کبھی نہیں چوما۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص پیار نہیں کرتا اس سے پیار نہیں کیا جائے گا۔" (مزید تفصیل کے لیے دیکھیں سبط ابن جوزی، الاستیعاب ابن عبدالبر، مسند احمد بن حنبل، انساب الاشراف بلاذری، طبری وغیرہ)

ہم نے کتب اخبار و سیر سے بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی اولاد سے کس درجہ پیار کرتے تھے لیکن لائنس کو ان تمام واقعات سے انکار ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خانگی زندگی سے کوئی غرض ہی نہ تھی۔ اس صورت میں یہ بات ناممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بچوں کے ساتھ وقت گزارتے، ان سے کھیلتے اور انہیں پیار کرتے۔

ہمیں لائنس کی اس عجیب و غریب رائے پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دینی کاموں کے ساتھ ساتھ خانگی اور گھریلو زندگی میں بھی اپنے حقوق پوری طرح ادا فرمایا کرتے تھے۔ کتب سیر کا مطالعہ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے صرف ایک بار ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں سے ناراض ہو کر ایک مہینے کے لیے ان سے بولنا چالنا چھوڑ دیا تھا۔ قرآن کریم بھی اس واقعے کی تائید کرتا ہے لیکن اس واقعے کے بعد پھر کبھی ایسا نہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں سے بولنا چالنا ترک کر دیا ہو اور ان سے قطع تعلق کر لیا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بچوں سے اتنی محبت اس لیے کرتے تھے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے محبوب بیٹی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی اولاد کے سوا اور بیٹیوں کی

اولاد کو اپنی نسل سے خیال نہ کرتے تھے۔ صرف حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ہی کی اولاد کو یہ شرف حاصل تھا۔ اسی لیے آپ ﷺ فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی اولاد اس کے اپنے صلب سے بنائی لیکن میری اولاد علی کرم اللہ وجہہ کے صلب سے بنائی۔" (مسند احمد بن حنبل)

آپ ﷺ حسنین رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔ "یہ دونوں دنیا میں میری خوشبو ہیں۔"

بعض مورخین لکھتے ہیں کہ حسنین رضی اللہ عنہ صورت و شکل میں رسول اللہ ﷺ کے مشابہ تھے حسن رضی اللہ عنہ نے تو صرف چہرے میں حضورؐ سے ملتے جلتے تھے لیکن حسین رضی اللہ عنہ سرتاپا حضور ﷺ کے مشابہ تھے۔ (انساب الاشراف صفحہ ۲۲۸)

صحیح بخاری میں آتا ہے فاطمہ سلام اللہ علیہا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ حسن رضی اللہ عنہ، علی کرم اللہ وجہہ سے مشابہ نہیں۔ (صحیح البخاری، جلد ۲، صفحہ ۴۴۶)

رسول اللہ ﷺ کے محبت کرنے کی وجہ سے صحابہ کرامؓ بھی حسنین رضی اللہ عنہ سے بہت محبت کرتے تھے۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حسن رضی اللہ عنہ کی ناف پر پیار کرتے تھے کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا تھا۔
(مسند احمد بن حنبل، جلد ۲ صفحہ ۲۳۱، بلاذری صفحہ ۵۸۸)

سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بسا اوقات دونوں بچوں سے ہنسی مذاق کیا کرتے تھے، ان سے کھیلا کرتے تھے، ان دونوں کو اپنی ٹانگوں کے درمیان سے گزارا کرتے تھے، نماز کے وقت وہ دونوں آپ ﷺ کی پیٹھ پر چڑھ کر بیٹھ جاتے تھے مگر آپ ﷺ کچھ نہ کہتے تھے بلکہ سجدے کو لمبا کر دیتے تھے۔ نماز ختم ہونے پر ان دونوں کو گھٹنوں پر بٹھا لیتے۔ انہیں پیار کرتے اور ان کی زبانوں کو چاٹتے۔

ان تمام باتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ان دونوں سے بے حد محبت تھی اور اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ آپ ﷺ کی سب سے محبوب بیٹی کے لڑکے تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ، فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بیٹوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے ضمن میں ایک اور واقعہ بھی بیان کر دینا ضروری ہے۔ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے زیادہ محبت ہے یا فاطمہ سلام اللہ علیہا سے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔

"فاطمہ سلام اللہ علیہا مجھے تم سے زیادہ محبوب ہے اور تم مجھے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ عزیز ہو۔"

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر موقع پر ان دونوں سے شفقت و مہربانی اور محبت کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے۔ اس وقت دونوں میاں بیوی سو رہے تھے۔ حسن رضی اللہ عنہ رو رہے تھے اور کھانا مانگ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ایک بکری کا دودھ دوہا اور حسن رضی اللہ عنہ کو پلایا جسے پی کر وہ چپ ہو گئے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کرم اللہ وجہہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نیند سے اٹھانا نہ چاہا۔ محض اس وجہ سے کہ ان کے آرام میں خلل پڑے گا جو مناسب نہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی زندگی بہت سادہ تھی گو انہیں امیری میسر نہ تھی اور وہ غریبی میں بسر اوقات کر رہے تھے لیکن اس کے باوجود دونوں کی زندگی بڑے آرام کی تھی اور انہیں روحانی و ذہنی سکون و اطمینان میسر نہ تھا۔ غریبی کی یہ حالت اس وقت تک رہی جب تک غزوات میں اضافہ نہ ہو گیا۔ غزوات میں اضافہ ہونے پر جب مال غنیمت کثرت سے آنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محبوب بیٹی کے لیے تھوڑا سا گزارہ مقرر کر دیا جو انہیں سال بہ سال ملا کرتا تھا۔ اس قلیل رقم کے ذریعے سے وہ گھر کا گزارہ چلایا کرتی تھیں اور بچوں کی تربیت پر خرچ کرتی تھیں۔

فتح مکہ معظمہ کے موقع پر حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں اور آپ رضی اللہ عنہا نے اپنی آنکھوں سے فتح کے ایمان افروز نظارے دیکھے۔

آپ کی نظروں کے سامنے مکہ معظمہ کا شہر تھا جہاں آپ کے والد کو سخت تکلیفیں دی جاتی تھیں، ان کے سر پر اوجھڑی لا کر رکھ دی جاتی تھی اور فاطمہ سلام اللہ علیہا اسے بڑی مشکل سے اٹھاتی تھیں۔ وہی مکہ معظمہ اب تھا لیکن صورت حال بالکل تبدیل ہو چکی تھی۔ مظلوم فاتح بن چکے تھے اور ظالم مفتوح بن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر جھکائے کھڑے تھے۔

یہ واقعہ بیان کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ معظمہ سے تھوڑا عرصہ قبل ابوسفیان، حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ خزاعہ پر حملہ کرنے کے بعد قریش نے یہ محسوس کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نقض عہد کی وجہ سے انہیں معاف نہ کریں گے اور وعدہ خلافی کی سزا ضرور بھگتنی پڑے گی۔ انہوں نے ابوسفیان کو اس غرض سے مدینہ منورہ بھیجا کہ وہ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوبارہ معاہدہ صلح کرنے کی کوشش کرے تاکہ قریش کی جانیں بچ جائیں۔ ابو سفیان مدینہ منورہ آ کر پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملا لیکن ان دونوں نے مدد کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس کے بعد وہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے پاس پہنچا اور ان سے درخواست کی کہ وہ اپنے والد ماجد پر اثر ڈال کر انہیں قریش پر حملہ کرنے سے باز رکھیں اور حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کو حکم دیں، وہ لوگوں میں اعلان کر دیں کہ ہم نے اہل مکہ معظمہ کو امن دے دیا ہے۔

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا کتنا اثر تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو سردار قریش کبھی ان کی وساطت سے یہ کام کرانے میں کوشاں نہ ہوتا لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس معاملے میں دخل دینے سے بالکل انکار کر دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہوئے کوئی شخص کسی کو امن نہیں دے سکتا اور آپ کی مرضی کے بغیر کوئی شخص کسی سے صلح نہیں کر سکتا۔

اس پر ابوسفیان خائب و خاسر ہو کر واپس چلا گیا۔

فاطمہ سلام اللہ علیہا کی وفات

مرض الموت میں جب رسول اللہ ﷺ کی بیماری نے شدت اختیار کر لی تو آپ ﷺ نے اپنی بیویوں سے درخواست کی کہ انہیں عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رہنے کی اجازت دے دی جائے چنانچہ تمام بیویوں نے آپ ﷺ کو اجازت دے دی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے گھر میں رہیں۔ بیماری کے دوران حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا برابر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتیں اور کبھی آپ ﷺ سے جدا نہ ہوتیں۔ جب آپ ﷺ کی تکلیف میں اضافہ ہوا تو آپ ﷺ بار بار ہاتھ میں پانی لے کر سر پر ڈالتے جس سے معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ کو شدید بے چینی ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بڑی بے تابی سے یہ سارا حال دیکھ رہی تھیں۔ شدت رنج والم کے باعث ان کا برا حال تھا اور وہ کہتی تھیں۔ (انساب الاشراف، بلاذری)

"ابا! کاش آپ ﷺ کی تکلیف میں اپنے آپ پر لے سکتی۔"

رسول اللہ ﷺ تسلی دیتے ہوئے کہتے۔

"تیرے باپ کو آج کے بعد کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔"

مورخین ذکر کرتے ہیں کہ اس بیماری کی حالت میں ایک دفعہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں۔ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں۔ انہیں دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے کہا۔

"آؤ بیٹی۔"

یہ کہہ کر آپ ﷺ نے انہیں اپنی دائیں جانب بٹھا لیا اور چپکے چپکے کچھ باتیں کیں، یہ سن کر وہ رونے لگیں۔ اس کے بعد آپؐ نے کچھ اور باتیں اس طرح چپکے چپکے کیں، جنہیں سن کر وہ ہنسنے لگیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی رنج والم اور خوشی کی حالتوں کو یکجا نہیں دیکھا۔ میں نے فاطمہ سلام اللہ علیہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ

نے کیا فرمایا تھا؟ فاطمہ سلام اللہ علیہا نے جواب دیا:

''میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کا راز کسی پر افشا نہ کروں گی۔''

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے وہ بات ظاہر کر دی۔ انہوں نے کہا۔

''رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا ''جبرئیل علیہ السلام مجھے ہر سال ایک مرتبہ قرآن مجید سنایا کرتے تھے لیکن اس سال انہوں نے دو بار سنایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرا آخری وقت قریب آ گیا ہے البتہ میرے اہل بیتؓ میں سب سے پہلے مجھ سے جو ملے گا وہ تم ہو گی۔''

جب یہ باتیں سن کر میں رونے لگی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ اس امت کی عورتوں کی سردار بنو؟ یہ سن کر میں ہنسنے لگی۔''

۞......۞......۞

رسول اللہ ﷺ کی یہ حالت دیکھ کر حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو بے اختیار رونا آ رہا تھا لیکن انہوں نے بزور اپنے آپ کو روکا کہ کہیں آپ نہ دیکھ لیں اور ان کا رونا آپ کی تکلیف میں اضافے کا موجب نہ بن جائے۔ آخر اللہ تعالیٰ کی مشیت پوری ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کے لیے آسمان کے دروازے کھل گئے۔ فرشتوں کی فوجیں آپؐ کو جوار رحمت میں لے جانے کے لیے نازل ہو گئیں اور آپؐ کی روح پاک ملاء اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے زمین و آسمان تاریک ہو گئے۔ ان کا حد درجہ شفیق اور مہربان باپ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ انہیں اپنی زندگی ایک بار محسوس ہونے لگی۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد پھر کبھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ بھی نہ دیکھی گئی۔

ایک بار وہ رسول اللہ ﷺ کے مزار پر آئیں۔ قبر کی مٹی ہاتھ میں لی اور اسے آنکھوں اور چہرے پر مل کر اشک باری کی حالت میں یہ اشعار پڑھنے لگیں۔

ماذا علی من شم تربة احمد
الایشم مدی الزمان غوالیا
صبت علی مصائب لوانها
صبت علی الایام عدن لیالیا

(جو شخص احمدؐ کی تربیت کی مٹی ایک بار سونگھ لے اس پر لازم ہے کہ پھر کبھی خوشبو نہ سونگھے۔ مجھ پر اتنی مصیبتیں پڑی ہیں کہ اگر دنوں پر پڑتیں تو وہ راتوں میں تبدیل ہو جاتے)

ان اشعار میں حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے اپنے حزن والم اور مصائب کا پورا پورا حال بیان کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے انہیں اپنی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات اور اپنے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعات یاد آ گئے والدین سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اتنی محبت تھی جس کی انتہا نہیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی محبت اس وجہ سے تھی کہ سارا مکہ معظمہ رسول اللہ ﷺ کا شدید دشمن تھا اور آپ ﷺ کو نت نئی ایذائیں پہنچانے پر سب لوگ کمر بستہ رہتے تھے، اس وقت اگر کوئی ذات آپ ﷺ کی مدد کے لیے آگے بڑھتی تھی تو وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تھی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا روزانہ مزار رسول اللہ ﷺ کی زیارت کو آیا کرتی تھیں اور خاصی دیر تک اس کے سرہانے کھڑی رہ کر آنسو بہایا کرتی تھیں۔ بعض اوقات روتے روتے ہچکی بندھ جاتی تھی۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر دوسرے لوگ بھی بے اختیار رونے لگتے تھے۔ مزار پر اکثر وہ یہ مرثیہ پڑھا کرتی تھیں:

اغبر افاق السماء وکورت
شمس النهار و اظلم العصران
والارض من بعد النبی کیبة
اسفا علیه کثیرة الاحزان
فلیبکه شرق البلاد و غربها

ولتبکہ مضر و کل یمان

یا خاتم الرسل المبارك صنوه

صلی علیك منزل القرآن

(آسمان کی پنہائیاں غبار آلود ہو گئیں۔ سورج لپیٹ دیا گیا اور زمانہ تاریک ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زمین غمگین و حزین اور افسردہ ہو گئی۔ چاہیے کہ آپؐ پر مشرق و مغرب کے رہنے والے روئیں اور چاہیے کہ تمام اہل مضر اور اہل یمن آپؐ کی وفات پر آنسو بہائیں۔ اے ختم الرسل جس پر قرآن پاک اترتا تھا، آپؐ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو)

یہ مرثیہ سن کر کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اشکبار نہ ہو اور کوئی دل ایسا نہ تھا جس کی گہرائیوں سے غم کے جذبات نہ امنڈ تے ہوں۔

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے پاس آئے اور انہیں تسلی تشفی دینے لگے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان سے پوچھا۔

''تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین کے سپرد کرنا اور ان پر مٹی ڈالنا کیونکر گوارا ہوا؟''

یہ سن کر انس بن مالکؓ بھی ضبط نہ کر سکے اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو جو قلق و اضطراب ہوا تھا اسی قسم کا قلق و اضطراب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لونڈی ایمن کو ہوا تھا جنہوں نے نہایت محبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے آپ کو سخت صدمہ ہوا۔ کثرت رنج و الم کے باعث بسا اوقات آپ کی یہ حالت ہو جاتی تھی کہ اٹھنے بیٹھنے یا بات کرنے کی بھی طاقت نہ رہتی تھی۔ افاقہ ہونے پر رو رو کر کہتی تھیں۔

''مجھے معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن وفات پا جائیں گے لیکن میں اس وحی پر رو رہی ہوں جو ہمارے لیے آسمان سے آتی بند ہو گئی۔''

فاطمہ سلام اللہ علیہا، رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد:

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد خلافت کے بارے میں جو واقعات پیش آئے ان کے بیان کرنے کا یہ موقع نہیں۔ البتہ اس جگہ ہم وہ واقعات ضرور سپرد قلم کریں گے جن کا تعلق حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ذات سے ہے۔ متعدد تاریخی شواہد سے واضح ہوتا ہے کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی حمایت کے لیے انصار کو ابھارنا اور اس بارے میں ان سے بات چیت کرنی چاہی تو وہ رات کے وقت حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو خچر پر بٹھا کر انصار کے محلوں میں لے گئے وہ باری باری ان کے گھروں میں جاتیں اور ان سے تائید علی کرم اللہ وجہہ کی درخواست کرتیں (حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا دونوں کی شان سے یہ بات قطعاً بعید ہے کہ وہ اس طرح انصار کے گھروں میں جاتے۔ اور ان سے خلافت کے حصول میں مدد کی درخواست کرتے، مترجم) لیکن ہر جگہ سے یہ جواب ملتا:

"اے بنت رسول اللہ ﷺ ہم اس شخص (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) کی بیعت کر چکے ہیں اس لیے اب ہم بیعت فسخ نہیں کر سکتے۔ البتہ اگر آپ کے خاوند خلافت کا تصفیہ ہونے سے پہلے ہمارے پاس آتے تو ہم ضرور ان کی مدد پر کمر بستہ ہو جاتے۔"

یہ سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے۔

"کیا میں رسول اللہ ﷺ کی نعش مبارک کو اسی طرح چھوڑ دیتا اور آپ ﷺ کی تجہیز و تکفین کے متعلق بے پروائی برت کر لوگوں سے خلافت کے لیے لڑتا جھگڑتا؟

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا بھی کہتیں۔

"ابو الحسن (علی کرم اللہ وجہہ) نے جو کچھ کیا انہیں وہی کرنا چاہیے تھا۔ دوسرے لوگوں نے جو کچھ کیا اللہ تعالیٰ ان سے اس کا حساب لے گا۔"

اس کے بعد جب عرب کے طول و عرض میں ارتداد کا فتنہ بڑے زور و شور سے بھڑکا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیال پیدا ہوا کہ اس نازک وقت میں مسلمانوں

کے اختلافات رفع ہو جانے چاہئیں اور تمام لوگوں کو مل کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ اس لیے ضروری تھا کہ بنو ہاشم کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لیے آمادہ کیا جاتا چنانچہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لے کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گھر کی طرف چلے تاکہ ان سے بیعت لی جائے۔

''اے ابا جان! ہم نے آپ کے بعد ابن خطاب اور ابو قحافہ کے ہاتھوں بہت تکلیفیں اٹھائیں۔''

جب لوگوں نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے رونے چلانے کی آواز سنی تو وہ بھی روتے ہوئے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی بہت رنج ہوا اور آپؓ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا۔

''ہم نے فاطمہ سلام اللہ علیہا کو ناراض کر دیا ہے ہمیں انہیں منانے کی کوشش کرنی چاہیے۔''

چنانچہ وہ دونوں حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گھر پہنچے اور اندر آنے کی اجازت چاہی لیکن آپ نے اجازت نہ دی۔ اس پر وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس پہنچے اور ان سے بات کی۔ وہ ان دونوں کو لے کر حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے پاس پہنچے اور انہیں بٹھایا لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان کی طرف سے منہ پھیر کر دیوار کی طرف کر لیا۔ انہوں نے سلام کیا لیکن جواب نہ ملا۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بولے۔

''اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب بیٹی واللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز مجھے اپنے عزیزوں سے زیادہ پیارے ہیں۔ آپؓ مجھے میری بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ محبوب ہیں۔ میری خواہش تھی کہ جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا میں بھی اسی روز مر جاتا اور ان کے بعد زندہ نہ رہتا۔ کیا آپ دیکھتی نہیں کہ مجھے آپ کے فضل اور مشرف کا اعتراف ہے؟ آپ سمجھتی ہیں کہ میں نے آپ کا حق غصب کیا ہے اور آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث سے محروم کر دیا ہے۔ واللہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے:

''ہمارا کوئی وارث نہ ہوگا۔ ہم اپنے پیچھے جو کچھ چھوڑیں گے وہ صدقہ ہوگا۔[1]''

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے کہا۔

''اگر میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث سناؤں تو کیا اسے سچ جانو گے؟''

دونوں نے جواب دیا۔ ''یقیناً۔''

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے کہا۔

''میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دلا کر پوچھتی ہوں کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ جس نے میری بیٹی فاطمہ سلام اللہ علیہا سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی، جس نے میری بیٹی فاطمہ سلام اللہ علیہا کو راضی کیا اس نے مجھے راضی کیا اور جس نے فاطمہ سلام اللہ علیہا کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا؟''

دونوں نے جواب دیا۔

''بے شک ہم نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے۔''

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے کہا۔

''تو میں اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کو گواہ بناتی ہوں کہ تم نے مجھے ناراض کیا ہے اور مجھے راضی نہیں کیا۔ جب میں رسول اللہ ﷺ سے ملوں گی تو ان سے تمہاری شکایت کروں گی۔[2]''

یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ زار و قطار رونے لگے اور باہر نکل کر لوگوں سے کہا کہ وہ خلافت کا بار اٹھانے کے لیے تیار نہیں، وہ ان کی جگہ کسی اور کو خلیفہ بنا لیں

---

[1] حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اور حضرت ابوبکرؓ کے درمیان رسول اللہ ﷺ کے ترکے کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا چاہتی تھیں کہ وہ ترکہ انہیں دیا جائے لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور اپنی دلیل میں مندرجہ بالا حدیث پیش کی (مولف)

[2] اس روایت پر غور کرنے سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے دعوے کی دلیل میں یہ حدیث پیش کی تھی کہ ہمارا کوئی وارث نہ ہوگا۔ ہم اپنے پیچھے جو کچھ چھوڑیں گے وہ صدقہ ہوگا تو حضرت فاطمہؓ کے لیے دو ہی راستے تھے یا تو وہ اس حدیث کو درست سمجھ کر رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے آگے سر تسلیم خم کر دیتیں اور آپ کی میراث لینے پر اصرار نہ کرتیں یا پھر اس حدیث کو درست تسلیم کرنے سے انکار کر دیتیں لیکن مندرجہ بالا روایت سے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

لیکن لوگوں نے اصرار کیا کہ اس نازک وقت میں آپ کا خلافت چھوڑ دینا ملت اسلامیہ کے لیے سخت خطرے کا باعث ہوگا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات تک حالات اسی نہج پر چلتے رہے۔ جب آپ وفات پا گئیں تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مسجد میں جا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی اور صدق دل سے آپ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ بعد میں ہمیشہ آپ کی زبان سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے کلمات خیر ہی نکلا کیے۔

✿ ...... ✿ ...... ✿

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا یہ حق تھا کہ وہ انتہائی خوش بخت ہوتیں اور خوشی و شادمانی کی حالت میں زندگی گزارتیں کیونکہ وہ مسلمان عورتوں کی سردار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین بیٹی تھیں لیکن اپنے والد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان کے لیے بمنزلہ عبادت تھی۔ آپ کی وفات ان کے لیے ناقابل برداشت صدمہ ثابت ہوئی اور اس صدمے نے انہیں گھن کی طرح کھا لیا۔ ان کے دل میں برابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال رہتا اور زبان پر برابر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا نام۔ جب وہ ماضی کے پردے الٹ کر نظر ڈالتیں تو اپنی پیاری والدہ اور بہنوں کو یکے بعد دیگرے اس دنیا سے رخصت ہوتے دیکھتیں۔ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی ایسی تھی جس سے ان کی دل بستگی کا سامان ہو سکتا تھا لیکن وہ بھی آخر اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا اکیلی رہ گئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خاندان کے لیے یہ مقدر تھا کہ وہ دنیا میں اس طرح رہے جس طرح لق و دق اور تپتے ہوئے صحرا میں عظیم الشان درخت صحرا کی

(بقیہ گزشتہ صفحہ) معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی پیش کردہ حدیث کے بارے میں تو کوئی رائے ظاہر نہ کی لیکن اپنی طرف سے ایک اور حدیث پیش کر دی حالانکہ حضرت فاطمہؓ کی پیش کردہ حدیث سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دعوے کی تردید نہیں ہوتی اور دونوں میں کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے لازماً یہی سمجھنا پڑے گا کہ سرے سے یہ روایت ہی درست نہیں۔ (مترجم)

ناقابل برداشت گرمی میں وہ درخت لوگوں کو اپنی گھنیری چھاؤں کے ذریعے سے آرام پہنچاتا ہے لیکن خود اس درخت کے لیے دوپہر کی شدید گرمی میں تپنا ہی مقدر ہوتا ہے۔ اگر زمانہ ان سے انصاف کرتا اور انہیں ان کی خدمت کا پورا پورا صلہ دیتا تو ان سے بڑھ کر کوئی خوش قسمت نہ ہوتا۔

❁......❁......❁

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا گم سم سی رہتی تھیں۔ ان کے ذہن میں صرف آپ ہی کا خیال ہوتا تھا اور زبان پر صرف آپ ہی کا نام۔ انہوں نے اپنے آپ پر لازم کرلیا تھا کہ صبح و شام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار کی زیارت کیا کریں اور وہاں کھڑے ہو کر آنسوؤں سے اس زمین کو پاک کیا کریں، وہ وہاں بیٹھ جاتیں اور جب آنسوؤں کے ذریعے سے دل کا غبار نکال لیتیں تو غمگین و حزیں دل کے ساتھ وہاں سے واپس آجاتیں۔

شدت رنج والم نے ان کے کمزور و نحیف جسم کو اور بھی گھلا دیا تھا اور اس بھاری صدمے نے ان کے نرم و نازک دل کو اور بھی کمزور کردیا تھا۔ آخر جوانی ہی کے عالم میں یہ پاک و مطہر ہستی اسی باغ رعنا میں پہنچ گئی جہاں اس سے پہلے اس کے بھائی، بہن اور والدہ، والد پہنچ چکے تھے۔

فاطمہ سلام اللہ علیہا کی وفات:

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی وفات ۳ رمضان ۱۱ھ منگل کو رات کے وقت ہوئی اس وقت آپ کی عمر اٹھائیس سال کی تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔ مورخین اس امر پر متفق ہیں کہ آپ کی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے چھ مہینے بعد ہوئی۔ ایک دو کا خیال ہے کہ تین مہینے بعد لیکن پہلی روایت ہی صحیح ہے۔ (الیعقوبی، جلد ۲ صفحہ ۱۲۸)

آپ کی عمر کے بارے میں مورخین کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ نے تیئیس برس کی عمر میں وفات پائی۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کی عمر ستائیس یا

انتیس سال کی تھی۔ بعض تیس اور پینتیس سال تک عمر بتاتے ہیں لیکن صحیح عمر وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں یعنی آپ نے اٹھائیس سال کی عمر میں وفات پائی۔

(الطبری، ابن اثیر، تہذیب النووی، انساب الاشراف، بلاذری)

مسعودی نے بیان کیا ہے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی تجہیز و تکفین کے بعد جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ گھر واپس گئے تو بے حد افسردہ تھے اور بار بار یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

ارىٰ علل الدنيا علی كثيره

وصاجها حتى الممات عليل

لكل اجتماع من خليل فرقة

وكل الذى دون الفراق قليل

وان افتقادى فاطماً بعد احمدً

دليل على ان لايدوم خليل

(میں دیکھتا ہوں کہ دنیا کی بیماریوں اور مصائب نے مجھے چاروں طرف سے آگھیرا ہے اور اہل دنیا مرنے تک بیمار رہتے ہیں۔ ہر یکجائی کے بعد دو دوستوں سے مفارقت ہونا ضروری ہے اور وہ زمانہ جو جدائی کے بغیر ہوتا ہے تھوڑا ہوتا ہے۔ احمد کے بعد فاطمہ سلام اللہ علیہا کی مفارقت اس بات کی دلیل ہے کہ دوست ہمیشہ نہیں رہتا)

❁......❁......❁

آخر میں ہم حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی بیٹیوں کا مختصر سا حال بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی دو بیٹیاں تھیں۔ زینب رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم کبریٰ رضی اللہ عنہا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ابن جعفر سے ہوئی اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب سے بیاہی گئیں اور آپ کی وفات کے بعد وہ عون بن جعفر بن ابی طالب کی زوجیت میں آئیں۔

(تہذیب النودی)

یعقوبی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تین بیٹیاں تھیں لیکن یہ روایت کمزور ہے اور مورخین میں سے کسی نے اس کی تائید نہیں کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہالہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئی تھیں حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی وفات کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان سے شادی کر لی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد انہوں نے ان کی وصیت کے مطابق بنو ہاشم کے ایک شخص سے عقد کر لیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ان سے نکاح کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے پیغام بھی بھیجا اور مہر میں ایک لاکھ درہم بھی دینے کا وعدہ کیا لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وصیت کے بموجب اسی ہاشمی سے عقد کیا۔ اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اہل بیت سے شادی بیاہ کا سلسلہ قائم کر کے ان سے تعلقات قائم کرنے کے کس درجہ خواہشمند تھے لیکن ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔

زینب رضی اللہ عنہا بن فاطمہ رضی اللہ عنہا جرأت و بہادری اور بلاغت و فصاحت میں جواب نہ رکھتی تھیں۔ واقعہ کربلا کے بعد انہوں نے ابن زیاد اور یزید کے درباروں میں جس جرأت و ہمت کا ثبوت دیا اور جس فصاحت و بلاغت سے تقریریں کیں وہ اپنی نظیر آپ ہیں اور آج بھی تاریخ کے صفحات اس کی شہادت دے رہے ہیں۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے رسول اللہ ﷺ کی محبت

آپ رسول اللہ ﷺ کی الفت ومحبت سے کامل طور پر بہرہ ور تھیں۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی سب سے چہیتی بیٹی تھیں اور شکل وصورت اور اخلاق وعادات میں آپ سے مشابہ تھیں۔ اس محبت کا سبب وہ خدمت تھی جو حضرت فاطمہؓ آپ کے لئے انجام دیا کرتی تھیں۔ حضرت خدیجہؓ بوڑھی ہو چکی تھیں۔ حضرت فاطمہؓ نے یہ کمی پوری کر دی تھی۔

حضرت فاطمہؓ سے رسول اللہ ﷺ کی محبت کا صحیح حال آپ کے ان اقوال سے معلوم ہو سکتا ہے جو آپ نے وقتاً فوقتاً اُن کے متعلق ارشاد فرمائے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں!

"اے فاطمہؓ! جس شخص سے تو ناراض ہوگی اللہ بھی اس سے ناراض ہوگا اور جس شخص سے تو راضی ہوگی اللہ بھی اس سے راضی ہوگا"۔

ایک اور موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا!

"فاطمہؓ مجھ سے ہے۔ جو شخص اُسے تکلیف پہنچائے گا وہ مجھے تکلیف پہنچائے گا اور جو شخص اسے راحت پہنچائے گا وہ مجھے راحت پہنچائے گا"۔

آپ کے بارے میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ایک قول بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ آپ فرماتی ہیں!

"میں نے والد فاطمہؓ کے سوا فاطمہؓ سے افضل اور کوئی شخصیت نہیں دیکھی"۔

الحجاز پبلی کیشنز

27۔ ایف گلشن راوی لاہور 7460260

ISBN: 978-969-8208-80-6